ہفت روزہ

ندائے خلافت

۲۲ مارچ ۱۹۹۳ء

☆ نبی اکرمؐ پر مشرکین مکہ کے ذاتی حملے (تفکر و تذکر)

☆ صدر اور وزیر اعظم کی جنگ رنگ دکھائے گی (تجزیہ)

☆ قائد اعظم کو بہکانے اور بلیک میل کرنے کی کوششیں (سیاسیات پاکستان)

سیرت مطہرہ کا ایک پہلو

جو بالعموم نگاہوں سے اوجھل ہے

نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی حیات طیبہ کے دوران مشرکین کی طرف سے آپؐ کی ذاتی مخالفت کا یہ مرحلہ آغاز وحی کے فوراً بعد شروع ہو کر تین چار سال تک جاری رہا اور اس پر جتنا افسوس کیا جائے کم ہے کہ تاریخ اور سیرت کی کتابوں اور اخبار و آثار کے مجموعوں میں سیرت مطہرہ کے اس دور کے بہت ہی کم حالات اور واقعات روایت ہوئے ہیں اور آپؐ کی حیات طیبہ کا یہ فیصلہ کن اور تاریخ ساز دور واقعاتی اعتبار سے بہت حد تک پردہ اخفا میں ہے۔ جس میں حیرت و استعجاب، تمسخر و استہزاء، طنز و طعن اور الزام تراشی و تہمت طرازی کی تمام توپوں کے رخ تنہا، نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی ذات اقدس پر مرکوز تھے۔ نتیجتاً" اچھے بھلے پڑھے لکھے لوگ بھی سیرت مطہرہ کے اس باب سے اتنے بے خبر ہیں کہ اندیشہ ہے کہ اس کا تذکرہ عام قارئین کو نامانوس ہی نہیں ناپسندیدہ محسوس ہوگا۔ لیکن یہ اللہ کا بڑا فضل ہے کہ اس نے سیدالانبیاء والمرسلین صلی اللہ علیہ وسلم کی حیات طیبہ کے اس باب کو قرآن حکیم کی آیات بینات کی صورت میں اس طرح اجاگر اور روشن کردیا ہے کہ بالکل ایسے محسوس ہوتا ہے کہ ؎

"ابھی اس راہ سے کوئی گیا ہے، کہے دیتی ہے شوخی نقش پا کی"

(تفکر و تذکر۔ ڈاکٹر اسرار احمد)

قیمت فی شمارہ ۵ روپے

ارکان اسمبلی کی خوشنودی کا محتاج "سربراہ" قومی مفادات کا محافظ ہو ہی نہیں سکتا

آٹھویں ترمیم ناگزیر ہے --- برقرار رہنی چاہئے!

"لٹیرا" اسمبلی صدر نے توڑی جب کہ اس سے پہلے ملک توڑنے والا ایک وزیراعظم تھا

سید معین الدین

بھارت میں انتشار و خلفشار پھیل رہا ہے۔ اور شاید پھیلتا ہی چلا جائے۔ یہ بات ریاستی' قومی اور ملکی اعتبار سے ہمارے لئے کسی حد تک اطمینان کا باعث ہوسکتی ہے کہ ہم کم از کم بھارت کی ریشہ دوانیوں سے ہی قدرے محفوظ رہیں گے حالانکہ وہ اپنے اندرونی خلفشار کے باوجود پاکستان کے خلاف وہ سبھی کچھ کر رہا ہے جو کر سکتا ہے۔ ہمیں پاکستان میں حکومتی سطح پر خلفشار اور انتشار پیدا کر کے بھارت سے سبقت لے جانے کی ضرورت نہیں تھی۔ بھارت میں تو حکومت کی کمزوری۔ نااہلی اور مسلمان دشمنی کی بنا پر انتشار پھیل رہا ہے۔ یہاں ہم نے مقابلتاً پرسکون صورت حال کو قومی و حکومتی دونوں سطح پر دانستہ طور پر خلفشار زدہ کردیا ہے اور آٹھویں ترمیم کے ذریعہ ایک مصنوعی بحران پیدا کردیا ہے جس کا سیاسی یا انتخابی حوالے سے کوئی تقاضا سامنے نہ آیا تھا۔ یہ ایک ایسی محلاتی سازش کہلا سکتی ہے۔ جس میں پاکستان کے عوام کو بے بس تماشائی کی حیثیت دیدی گئی ہے۔

اقتدار کی مرکزیت صدر کی طرف ہو یا وزیر اعظم کی طرف' دونوں ملک و قوم کے لئے نقصان دہ ہیں۔ پارلیمانی طرز حکومت تقسیم اقتدار کے ذریعہ حکمرانی کا طریق کار ہے جس میں ریاستی اور ملکی اقتدار ایسے دو اشخاص میں منقسم ہوتا ہے جو نظام حکومت میں قریباً برابر کے اختیارات رکھتے ہیں۔ ان میں سے کوئی دوسرے کا ماتحت یا اس کے مقابلے میں بے اختیار نہیں ہوتا۔ ورنہ یہ تقسیم اقتدار نہیں ہے۔ جیسا کہ بھٹو کے آئین میں تھا کہ صدر کا کوئی بھی فرمان اس وقت تک کوئی حیثیت نہیں رکھتا تھا جب تک اس فرمان پر وزیراعظم کے تصدیقی دستخط نہ ہوجائیں۔ اس آئین کے مطابق صدر ایک قدر مہمل تھا۔ یہ پارلیمانی طرز حکومت نہیں ہوسکتا بلکہ اپنی اصل میں گویا صدارتی طریق حکومت ہی ہے۔

صدارتی طرز حکومت میں ایک ہی شخص حکومت اور ریاست کا سربراہ ہوتا ہے جیسا کہ صدر امریکہ۔ یہ طریق حکومت بھی عین جمہوری ہے۔ اگر ایک ہی شخص میں ملک و قوم کے کلی اختیارات جمع کرنے ہیں تو صدارتی اصول حکومت اختیار کرلینا چاہئے۔ قوم کو اس کے لئے تیار بھی کیا جاسکتا ہے مگر پارلیمانی طریق حکومت کی آڑ میں صدارتی اقتدار و اختیارات کا حصول یا اقتدار مطلق کی خواہش کا نہ تو کوئی اخلاقی اور قانونی جواز ہے اور نہ ہی کوئی آئینی یا دستوری حق۔ لاہور کے ایک موقر اخبار کے پہلے صفحہ پر وزیر دفاع کا ایک بیان چھپا ہے۔ جس کی تین کالمی سرخی میں کہا گیا ہے کہ "آٹھویں ترمیم کی موجودگی میں فیصلہ نہیں ہو سکتا کہ حکمران کون ہے"۔

وزیر دفاع کا یہ اظہار رائے جو ایک معروف قانون دان بھی ہیں' پارلیمانی طریق حکومت کی ایک جامع تعریف ہے۔ پارلیمانی طریق حکومت کی سب سے بڑی خوبی ریاستی و ملکی اقتدار کی انتہائی متوازن تقسیم ہوتی ہے جس کی واضح نشان دہی نہیں ہوسکتی۔ یہی اصول پارلیمانی طرز حکومت ہے اور اس طرز حکومت کی یہی واحد پہچان ہے جو وزیر دفاع کے اظہار میں پوشیدہ ہے۔ گو وزیر دفاع نے اس بات کو خوبی کے طور پر نہیں بلکہ مذمت کے طور پر استعمال کیا ہے۔

ایک سوال جو اس بحث میں عموماً متعلقہ حلقوں کی طرف سے اٹھایا جاتا ہے' یہ ہے کہ وزیراعظم زیادہ نمائندہ حیثیت رکھتا ہے۔ مزید یہ کہ وزیراعظم براہ راست نمائندگی کا حامل ہے۔ یہ دونوں باتیں حقیقتاً خلاف واقعہ اور غلط ہیں۔ وزیر اعظم براہ راست نمائندہ ہوتا ہی نہیں۔ وزیر اعظم بالواسطہ اعتماد کا مظہر ہے جو اراکین پارلیمنٹ کی اکثریت کا نتیجہ ہوتا ہے۔ وزیر اعظم ہونے سے پیشتر اس کا انتخاب پورے پاکستان کے ۲۳۷ حلقہ ہائے انتخاب میں سے صرف ایک حلقہ سے ہوتا ہے اور اس میں بھی موجودہ طریق انتخاب کے مشینی طریق کار کی بنا پر بالعموم وہ اس حلقہ کی اقلیت کا نمائندہ ہوتا ہے جیسا کہ فی الواقع اس وقت ہے۔ جبکہ صدر کا انتخاب چاروں صوبوں کی اسمبلیاں' سینیٹ اور قومی اسمبلی کرتی ہے اور موجودہ صدر اپنے اس حلقہ انتخاب کے ۸۷ فیصد ووٹوں کی کثرت سے منتخب ہوئے ہیں۔ مختصر یہ کہ وزیر اعظم اور صدر دونوں کا انتخاب بالواسطہ ہی ہوتا ہے لیکن صدر کئی درجہ بہتر پورے ملک کی نمائندگی کا حامل ہوتا ہے اور اس کی نمائندہ حیثیت بہرکیف وزیراعظم سے بہت زیادہ ہوتی ہے۔

برطانیہ کی مثال کا پاکستان میں اطلاق نہیں کیا جاسکتا۔ برطانیہ میں موروثی بادشاہت ہے اور سربراہ حکومت منتخب صدر نہیں ہوتا جبکہ پاکستان میں موروثی بادشاہت نہیں اور نہ ہی برطانیہ میں عوام کے سیاسی شعور کے ارتقاء کا تاریخی پس منظر۔ پارلیمانی نظام دنیا بھر میں سوائے برطانیہ کے آج تک کہیں بھی کامیاب نہیں۔ پاکستان میں صدر نے وہ اسمبلیاں توڑی ہیں جنہوں نے اربوں روپے کے

(باقی اندرونی سرورق کے دوسری جانب)

تا خلافت کی بنا دنیا میں ہو پھر استوار
لا کہیں سے ڈھونڈ کر اسلاف کا قلب و جگر

○

تحریکِ خلافت پاکستان کا نقیب

ہفت روزہ
ندائے خلافت
لاہور

جلد ۲ شمارہ ۱۲

۲۲ مارچ ۱۹۹۳ء

5

مدیر
اقتدار احمد

معاون مدیر
حافظ عاکف سعید

○

یکے از مطبوعات
تنظیمِ اسلامی

مرکزی دفتر: ۶۷۔اے، علامہ اقبال روڈ، گڑھی شاہو، لاہور

مقامِ اشاعت
۳۶۔کے، ماڈل ٹاؤن، لاہور
فون: ۸۵۶۰۰۳

○

پبلشر: اقتدار احمد طابع: رشید احمد چودھری
مطبع مکتبہ جدید پریس ریلوے روڈ لاہور

○

قیمت فی پرچہ: -/۵ روپے
سالانہ زرتعاون (اندرون پاکستان) -/۱۰۰ روپے

○

زرتعاون برائے بیرون پاکستان
سعودی عرب، متحدہ عرب امارات، بھارت ——— ۱۰ امریکی ڈالر
مسقط، عمان، بنگلہ دیش ——— ۸ " "
افریقہ، ایشیا، یورپ ——— ۱۲ " "
شمالی امریکہ، آسٹریلیا ——— ۱۴ " "

افتتاحیہ

یہ محنت صبح شاموں کی لب کے تو اکارت نہ جائے

افغان عوام اور مجاہدین نے ایک طویل اور صبر آزما جنگ کے دوران جس جوانمردی اور ثابت قدمی سے روسی جارحیت کا مقابلہ کیا اور لاکھوں کی تعداد میں جانوں کا نذرانہ پیش کیا اس نے جاں بہ لب امت کو بجا طور پر ایک نیا حوصلہ دیا اور افغان جہاد دنیا بھر کے مسلمانوں کی توجہ کا مرکز بن گیا' لیکن اس کے ساتھ ہی سامراجی طاقتیں بھی پہلے سے طے شدہ پروگرام کے تحت حرکت میں آگئیں اور آپس میں گٹھ جوڑ کر کے دنیا سے مسلمانوں کا نام و نشان تک مٹانے کی منصوبہ بندی شروع ہو گئی۔

یہاں تفصیل میں جانے کا موقع نہیں' گزشتہ عراق' ایران جنگ اور حالیہ خلیج کی جنگ کے نقشے کہاں تیار ہوئے؟ کس کو اپنے مقاصد پورے کرنے کا موقع ملا اور وہ کون تھے جو اس میں کام آئے؟ سابق روسی جمہوریاؤں خصوصاً تاجکستان میں کیمونسٹ فوجوں کے ہاتھوں مسلم عوام کی تباہی' مغربی ممالک اور روس کی ملی بھگت سے بوسنیا میں مسلمانوں کا صفایا اور عورتوں اور بچوں پر وحشیانہ اور دردناک مظالم کی وہ انتہا' جس پر خود مغرب والے چیخ اٹھے۔ کشمیر کے بعد اب پورے بھارت میں مسلمان کے خون کی ہولی' فلسطین کے بعد پورا عالم عرب اسرائیل کی گرفت میں--- اور اسی پر بس نہیں' سامراج کے آلۂ کار مسلمان حکمران خود اپنے عوام کے خلاف یہی کچھ کرنے کیلئے اشارہ کے منتظر ہیں۔ الجزائر کی مثال ہمارے سامنے ہے۔ اب مصر میں بھی اس کا آغاز ہو رہا ہے گویا دنیا بھر میں مسلمانوں کے خون کی ارزانی کا بازار گرم ہے۔ اس پس منظر میں کابل میں ہونے والی خانہ جنگی اور بھی زیادہ افسوسناک تھی' چنانچہ افغان رہنماؤں کے درمیان حالیہ امن سمجھوتہ دنیا بھر کے مسلمانوں کیلئے اہمیت رکھتا ہے۔ افغان رہنما بجا طور پر اس کیلئے مبارکباد کے مستحق ہیں۔ انتہائی مشکل حالات میں انہوں نے جس طرح معاملات طے کرنے کی کوشش کی ہے' اس سے ان سب کے خلوص اور نیک نیتی کا اظہار ہوتا ہے۔

اس ضمن میں جن حضرات نے خاص طور پر اسلامی جذبے کے تحت معاہدے تک پہنچنے میں افغان بھائیوں کو مدد بہم پہنچائی' وہ بھی مبارکباد کے مستحق ہیں۔ ریٹائرڈ جنرل گل حمید صاحب ایک سچے مسلمان کی شہرت رکھتے ہیں۔ انہوں نے سخت پر خطر ماحول میں کابل جا کر متحارب دھڑوں کے درمیان جنگ بندی کا اہتمام کرایا۔ قاضی حسین احمد صاحب نے خاصا اہم کردار ادا کیا ہے۔ اسی طرح وزیراعظم جناب نواز شریف صاحب نے بڑی جانفشانی کے ساتھ تکمیلی مراحل طے کرا دیئے' یہ سب کوششیں قابل ستائش ہیں۔ ہماری دعا ہے کہ یہ سمجھوتہ پوری امت کیلئے خیر و برکت کا باعث ہو۔ اس مقصد کیلئے جہاں ہم اپنی نیک خواہشات کا اظہار ضروری سمجھتے ہیں وہاں اس حقیقت کی یاد دہانی بھی کرانا چاہیں گے کہ پوری نوع انسانی کے لئے نجات اور بھلائی کا واحد ذریعہ قرآن ہے اور قرآن ہی ایک مومن بندے کا اصل ہتھیار ہے' اس کے بغیر نہ تو حقیقی معنوں میں جہاد کا فریضہ ادا کیا جا سکتا ہے نہ جہاد کے مقاصد کا حصول ممکن ہے اور نہ ہی دنیا میں امن اور سکون کی فضا لائی جا سکتی ہے۔ اسلام میں صدر اور وزیراعظم کے درمیان اختیارات کی تقسیم کا کوئی مسئلہ نہیں۔ اختیار کل کا کل ہے ہی اللہ کیلئے۔ اقتدار تو اللہ کے کلمہ کو سربلند کرنے اور سربلند رکھنے کا محض ایک ذریعہ ہے۔ اس طرح ایک مسلمان کی کسی عیسائی' کسی یہودی اور کسی ہندو سے کوئی جنگ نہیں'

(باقی صفحہ ۱۸ پر)

الہدیٰ

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

رمضان کا مہینہ وہ ہے جس میں قرآن نازل کیا گیا'

(کہ خواہ کوئی شخص اس رائے کو صحیح سمجھتا ہو کہ ماہ رمضان المبارک میں قرآن حکیم کو لوح محفوظ سے سماء دنیا تک اتارا گیا تھا یا کوئی اس رائے کو زیادہ مضبوط اور معتبر جانتا ہو کہ اس ماہ مبارک میں نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم پر نزول قرآن کا آغاز ہوا تھا' بہرصورت یہ ایک ناقابل تردید حقیقت ہے کہ اس ماہ مبارک کی فضیلت کی واحد بنیاد قرآن حکیم ہی ہے۔ یہاں یہ اشارہ بھی ملتا ہے کہ روزے کی عبادت کو قرآن حکیم کے ساتھ کوئی خصوصی معنوی نسبت بھی حاصل ہے۔ چنانچہ رمضان المبارک کی راتوں میں تراویح کا اہتمام اور رات کا اکثر حصہ قرآن حکیم کے ساتھ بسر کرنے کی نبویؐ تلقین دراصل روزے اور رمضان کے اسی تعلق کے مظاہر ہیں۔)

ہدایت ہے لوگوں کے لئے' اور روشن دلیلیں ہیں راہ پانے کی اور حق کو باطل سے جدا کرنے کی'

(یہ قرآن پوری نوع انسانی کے لئے ہدایت بن کر نازل ہوا ہے۔ اور ہدایت ہی دراصل وہ شے ہے جس کا انسان سب سے بڑھ کر ضرورت مند اور محتاج ہے۔ اس لئے کہ اس کی ابدی زندگی کی صلاح و فلاح کا تمام تر دار و مدار ہدایت پر ہی ہے۔ اس کتاب مبین کی ہدایت محض دانشوروں' فلسفیوں یا حکیموں ہی پر منکشف نہیں ہوتی بلکہ یہ اس کتاب کا اعجاز ہے کہ ہر خاص و عام اس کی ہدایت سے بہ آسانی اور بہ سہولت فائدہ اٹھا سکتا ہے اور ہر علمی و ذہنی سطح کے حامل شخص کے لئے اس کی علمی پیاس کی تسکین اور رہنمائی کا وافر سامان اس میں موجود ہے۔ پھر یہ کہ ہدایت کی سوغات اس کتاب میں گنجلک اور مبہم انداز میں مخفی نہیں رکھی گئی بلکہ یہ کتاب درحقیقت ہدایت کی روشن و تابناک دلیلوں اور حق و باطل سے جدا کرنے والے واضح دلائل پر مشتمل ہے)

ترجمانی: حافظ عاکف سعید

سو جو کوئی تم میں سے اس مہینے کو پائے تو ضرور روزے رکھے اس کے' اور جو بیمار ہو یا سفر پر ہو تو دوسرے دنوں میں گنتی پوری کرلے!

(رمضان اور قرآن کے تعلق کو واضح فرمانے کے بعد فرضیت صیام کے حکم کا اعلان کردیا گیا کہ جو کوئی بھی تم میں سے اس مبارک مہینے کو پائے تو اس پر فرض ہے کہ پورے ماہ روزے کا التزام کرے۔ ہاں مریض اور مسافر کے لئے اس رعایت کو برقرار رکھا گیا کہ وہ مذکورہ بالا عذرات کے باعث اگر ماہ رمضان میں روزے نہ رکھ سکیں تو بعد میں روزے رکھ کر تعداد کو پورا کریں)

اللہ تمہارے لئے آسانی چاہتا ہے تم پر سختی نہیں کرنا چاہتا'

(کہ مریض اور مسافر کے لئے اس رعایت سے مقصود دراصل تمہیں سہولت فراہم کرنا ہے۔ اللہ تعالیٰ کی یہ سنت ہے کہ وہ انسان پر اس کی وسعت سے بڑھ کر بوجھ نہیں ڈالتا۔ ہاں تم خود اپنے آپ کو مشقت میں ڈالو اور اس رعایت سے فائدہ نہ اٹھاؤ تو اس کی ذمہ داری تمہی پر آئے گی۔)

اور تاکہ تم تعداد پوری کرو' اور اللہ نے جو ہدایت تمہیں بخشی ہے اس پر اس کی تکبیر کرو اور تاکہ تم اس کے شکرگزار بنو○

(کہ روزے کے ثواب میں برابر کا حصہ پانے کے لئے تعداد بہرطور پوری کرنی ہوگی۔ اور جان لو کہ روزہ رکھنے سے ہی تمہاری روح کو بالیدگی حاصل ہوگی اور اس میں حیات تازہ پیدا ہوگی جن کے نتیجے میں نہ صرف کہ تم قرآن حکیم کی قدر دانی بہتر طور پر کرسکو گے' بلکہ اس ہدایت عظمیٰ پر تم دل و دماغ کی شہادت کے ساتھ اللہ کی بڑائی اور تکبیر کرسکو گے اور اس احسان عظیم پر اللہ کے شکر و امتنان کے جذبات بھی تمہارے قلب کی گہرائیوں سے پھوٹیں گے)

(سورۃ البقرہ آیت نمبر ۱۸۵)

سیاست اور سیاسی جماعتوں کی تشکیل نو کا امکان

امریکہ کو صدر اسحاق کی ضرورت نہیں رہی

صدر اور وزیراعظم کی جنگ رنگ دکھائے گی

بے نظیر نواز شریف سے مصالحت کیلئے امریکہ اور سعودی عرب کی ضمانت چاہتی ہیں

عبدالکریم عابد

پاکستانی سیاست میں صدر اور وزیراعظم کی جنگ سے پاکستانی سیاست کی نئی تشکیل ہوسکے گی۔ یہ جنگ اگرچہ شخصی اختیار اور اقتدار کی جنگ ہے لیکن اس سے یہ بھی ظاہر ہے کہ حکمران طبقہ اندر سے ٹوٹ رہا ہے اور اس کیلئے اپنے تفرقہ پر قابو پانا اب ممکن نہیں ہے۔ ابھی کچھ عرصہ پہلے تک صورت حال یہ تھی کہ حکمران طبقہ اس امر پر متفق تھا کہ پاکستان کیلئے سیاست اور جمہوریت زہر ہے۔ سیاسی جماعتیں فساد کی جڑ ہیں۔ صوبائی خودمختاری کے مطالبات ملک دشمنوں کے ہیں۔ الیکشن اس ملک کو راس نہیں اور ملک کا نظام ایسا ہونا چاہئے جس میں فوجی اور سول بیوروکریسی مقتدر اعلیٰ ہو۔ امریکہ نے دباؤ ڈالا تو ضیاء الحق بمشکل ۸۵ء کے غیرجماعتی الیکشن پر راضی ہوئے اور اس الیکشن سے پہلے ایک عجیب و غریب طرز کے ریفرنڈم کے ذریعے اپنے لئے حق حکومت حاصل کیا اور اس حکومت کے تحفظ کیلئے آٹھویں ترمیم کی زنجیر اسمبلی کو پہنائی گئی۔

سرد جنگ کے خاتمے کے بعد امریکی حکمت عملی میں تبدیلی آگئی۔ پہلے اسے قوموں اور ملکوں کو اپنی فوجی جتھے بندی میں شامل کرنے کیلئے فوجی آمروں کی ضرورت تھی۔ اب یہ ضرورت نہ رہی اور اس کی بجائے جمہوریت اور بنیادی حقوق کا امریکہ نے ٹھیکہ لے لیا اور اصل مطلب امریکہ کا یہ تھا کہ جمہوریت اور بنیادی حقوق کے نام پر نئی ہنگامہ آرائی کے ذریعے ملکوں کی ٹوٹ پھوٹ ہو اور دنیا کا جو نقشہ برطانیہ، فرانس، روس بنا چکے ہیں اسے کالعدم قرار دیا جائے اور نئے عالمی اقتدار کیلئے دنیا کا ایک نیا نقشہ قائم ہو جس میں چھوٹے چھوٹے ناتواں ملک ہوں جو نہ داخلی امن رکھتے ہوں، نہ بیرونی سمت سے انہیں اطمینان ہو کیونکہ ملک ٹکڑوں میں بٹ کر چھوٹے ہوں گے تو آسانی سے قابو میں آئیں گے اور زیر نگیں بنیں گے۔ اس مقصد کیلئے جمہوریت اور بنیادی حقوق کے نعروں کو استعمال کرکے پرانے آمرانہ دور کے سٹا بلشمنٹ کو ہر جگہ سے اکھاڑ دیا جائے۔

امریکہ کی اس نئی جمہوریت پسندی کے آگے پرانے آمروں کی کچھ نہیں چلی اور انہیں ہر جگہ الیکشن کرانے پڑے۔ سب سے پہلے روس میں جو لوگ قہار اور جبار بن کر بیٹھے تھے ان کی خدائی کی بساط لپیٹ دی گئی اور جب روس گر گیا تو مشرقی یورپ کی آمریتوں کے دھڑن تختے ہونے لگے اور اس کے بعد تیسری دنیا کا نمبر آگیا۔ یہ حد ہے کہ بیچارے امیر کویت کو بھی الیکشن کرانے پڑے اور آج کل وہی نہیں، تمام شیوخ اور بادشاہ حضرات بڑی پریشانی میں ہیں۔

پاکستان میں فوج کے لوگ عقل مند ہیں۔ ہوا کا رخ پہچانتے ہیں اور اس کے مطابق انہیں چلنے کی عادت ہے۔ اس لئے جھٹ پٹ صدر اسحاق کو مسند صدارت پر نصب کیا گیا اور الیکشن کرادیئے گئے لیکن سٹا بلشمنٹ نے اس کا خیال رکھا کہ پیپلزپارٹی کو ایک

خاص حد سے آگے نہ جانے دیا جائے اور اس کے مقابلے میں طاقتور اتحاد ہو جو اس کی حکومت کو چلنے نہ دے اور آخر میں ہم ہاتھ مار کر بے نظیر صاحبہ کو چلتا کر سکیں۔ اس موقع پر حکمران طبقہ میں بڑا اتفاق رائے تھا۔ وہ یک ذہن' یک دل' یک جان تھے اور اس ایکتا کا راز یہ تھا کہ پیپلزپارٹی کو روکنا ہے' اسے دشمن ملک و قوم قرار دینا ہے۔ اس لئے حکمران طبقہ کے اکابر و اصاغر دن رات پیپلزپارٹی کے خلاف جہاد کا ثواب حاصل کرتے رہے۔ سندھ میں اس پارٹی کے سر پر جام صادق کو مسلط کیا گیا اور اس نے پارٹی کا دم ناک میں کر دیا۔ لیکن یہیں سے اہل اقتدار کی پھوٹ سامنے آئی' اقتدار کی تثلیث میں جنرل آصف نواز نے جو سندھ آپریشن کیا اس کے نشتر کی نوک صدر اسحاق کے پیاروں اور نواز شریف کے دلاروں نے محسوس کی۔ آصف نواز نے پہلی بار اعلیٰ سطح سے پیپلز پارٹی کیلئے بریت کے سرٹیفکیٹ جاری کئے کہ دیہی اور شہری علاقہ کی بدامنی کا پیپلزپارٹی سے کوئی تعلق نہیں اور جن لوگوں سے تعلق ہے وہ بڑی مچھلیاں ہیں۔

آصف نواز کا پیپلزپارٹی کو تقویت فراہم کرنا ایک نئی بات تھی۔ وہ پارٹی جو اقتدار کے ایوانوں میں عرصہ سے معتوب تھی' اب معتوب نہیں رہی ادھر آصف نواز کا حکومت پر دباؤ تھا کہ پیپلزپارٹی سے سیاسی تصفیہ کر کے سندھ اور ملک کے معاملات کو درست کرو۔ اس دباؤ کے نتیجے میں پیپلزپارٹی بھی شیر ہو گئی تھی اور لمبے لمبے ڈگ بھرنے لگی تھی۔ لیکن بے نظیر بے چاری قسمت کی کھوٹی ہیں کہ اچانک آصف نواز چل بسے اور وہ عین لانگ مارچ میں بے یارومددگار پھنس گئیں۔ اس موقع پر امریکہ نے انہیں مشورہ دیا کہ نواز شریف سے تعاون کرو جو سٹا بلشمنٹ تمہاری دشمن ہے اسے تم نہیں' نواز شریف شکست دے سکتا ہے۔ وہ گھر کا چراغ ہے اور گھر کو آگ اسی چراغ سے لگے گی۔ تم اسی کا ساتھ دو

دوسری طرف جناب نواز شریف سے کہا گیا کہ اب اپنا دوسرا سبق یاد کرو اور یہ دوسرا سبق پیپلزپارٹی سے مفاہمت کا ہے۔ نواز شریف شاگرد رشید ہیں' فوراً سبق ازبر کر لیا اور دنیا نے حیرانی کے ساتھ بے نظیر نواز شریف مفاہمت کا منظر دیکھا۔ یہ ایسی مفاہمت تھی جس پر خود پیپلزپارٹی کے لوگ ششدر رہ گئے۔ ادھر صدر اسحاق نے دیکھا کہ نئی صف بندی ہو رہی ہے تو انہوں نے فیصل صالح حیات کو مصالحت کی پیشکش کے ساتھ لندن بھیجا کہ ہم سے مصالحت کر لو تو نواز شریف کو ہٹا کر نئی حکومت بنا دیں گے جس میں پیپلزپارٹی کو موثر حیثیت حاصل ہو گی اور اس کے الیکشن لڑنے کیلئے بھی حسب دل خواہ انتظامات کر دیئے جائیں گے۔ گویا اس وقت صورت یہ ہے کہ صدر اسحاق اور وزیراعظم نواز شریف دونوں اس بے نظیر کے پیچھے مصالحت کے لئے بھاگ رہے ہیں جو دونوں کے نزدیک کل تک غدار تھی' قابل گردن زدنی تھی۔ اس سے ہاتھ نہیں ملایا جا سکتا تھا اور اس کے خلاف ریفرنس واپس ہونا تو بڑی بات ہے' آصف زرداری کو ضمانت پر بھی رہا نہیں کیا جا سکتا تھا۔

اب اگر صدر اسحاق اور بے نظیر میں مفاہمت ہو جاتی ہے تو بے نظیر کی شان میں صدر کے منہ سے پھول جھڑیں گے اور اسٹا بلشمنٹ بھی ان پر پھول برسائے گی۔

اگر بے نظیر صدر اسحاق کی بجائے نواز شریف سے مفاہمت کر لیتی ہیں تو صدر اسحاق نواز شریف کے پبلسٹی سیل کی سابقہ پبلسٹی کو ذرائع ابلاغ میں دوبارہ جاری کر دیں گے کہ دیکھو صیہونی آلہ کاروں سے خبردار رہنا ہے۔ پاکستان کی ایٹمی طاقت کو بچانا ہے۔ بھارت کی بالادستی سے محفوظ رہنا ہے اور امریکہ کے خلاف قومی مفاد میں جہاد کرنا ہے --- یہ سب کچھ اس وقت کہا جائے گا جب بے نظیر سے مصالحت نہ ہو اور اگر ہو جائے تو دونوں ایک دوسرے سے اپنا سابقہ کہا سنا معاف کرا کے ایک ہو جائیں گے اور نیشنل گورنمنٹ کی شاخ پر بسیرا کریں گے۔ لیکن یہ مشکل نظر آتا ہے کہ بے نظیر نواز شریف سے مصالحت نہ کریں۔ ان کا رجحان بھی نواز شریف کی طرف ہے اور ان کو حکم بھی نواز شریف سے مصالحت کے لئے ہے۔ افتخار گیلانی لندن جا کر پیش کش دے چکے ہیں کہ پیپلزپارٹی کو پانچ وزارتیں دی جائیں گی۔ ان میں تین اقتصادی محکموں کی ہو گی۔ کچھ وزراء مملکت کے عہدے بھی مل سکیں گے۔ الیکشن کمیشن کا تقرر بھی باہمی اتفاق سے ہو گا اور الیکشن جلد کرا دیئے جائیں گے۔ سرحد کی حکومت میں بھی پیپلزپارٹی کو شامل کیا جائے گا اور سندھ میں مظفر شاہ کی حکومت کا دھڑن تختہ کرنے کے لئے پیپلزپارٹی کو ضروری مدد فراہم کی جائے گی اور سندھ پیپلزپارٹی کو واگزار کر دیا جائے گا تاکہ حق بہ حقدار رسید ہو۔

بے نظیر صاحبہ کے لئے مسئلہ ہے کہ نواز شریف پر اعتبار کیسے ہو اور ضامن کون بنے؟ تو اس میں داخلی طور پر محمود اچکزئی ضامن بننے پر تیار ہے لیکن اصل ضامن امریکہ اور سعودی عرب ہونگے۔ اگر نواز شریف یہ ضمانتیں فراہم کر سکیں تو بے نظیر صاحبہ نواز شریف کے ساتھ ہونگی اور حقیقت یہی ہے کہ نواز شریف کو یہ ضمانت فراہم کرنے میں دقت نہیں ہو گی۔

اب سوال پیدا ہوتا ہے کہ امریکہ اس جوڑی سے کیا کام لے گا؟ تو ظاہر ہے کہ جمہوریت کو آگے بڑھانا ہے جس میں علاقائیت' لسانیت کے گروہ زیادہ طاقتور ہو جائیں۔ فوج اور سول بیوروکریسی کمزور پڑ جائے۔ فوجی بجٹ بھی کم ہو --- یہ سب کچھ کرنے کے لئے صدر اسحاق بھی تیار ہیں۔ وہ ہمیشہ امریکہ کے آدمی رہے ہیں۔ انہیں امریکہ سے واپسی پر ہی سول سروس میں بڑا عہدہ دیا گیا تھا۔ ہر امریکی آمر کے وہ مشیر رہے اور امریکہ نے آمروں سے صاف کہا کہ وہ غلام اسحاق خاں کی باتوں پر کان دھریں تو خیریت رہے گی۔ صدر ضیاء نے آخری دنوں میں صدر اسحاق سے مشورے کرنا چھوڑ دیا تھا۔ وہ الگ تھلگ ہو گئے تھے ورنہ صدر اسحاق صدر ضیاء کے ساتھ پاسبان عقل کے طور پر رہتے تو شاید سی-۱۳۰ کا حادثہ پیش نہ آتا۔ مگر یہ مقدرات کے کھیل ہیں۔ قسمت کے لکھے کو ٹالا نہیں جا سکتا اور یہ بھی قسمت کا لکھا ہے کہ امریکہ اب اپنے پرانے یار وفادار لوگوں کو نکما سمجھتا ہے۔ ان کی نیاز مندی کی اسے ضرورت نہیں ہے۔ وہ نئے لوگ' نئے مقاصد کے لئے پیدا کرنا چاہتا ہے۔ اس لئے اگرچہ صدر اسحاق کا پلڑا بہ ظاہر بھاری ہے لیکن نواز شریف کے پلڑے کا وزن بڑھتا چلا جائے گا۔ اگر بے نظیر نے کوئی دوسرا فیصلہ کیا اور صدر اسحاق سے مل گئیں تو یہ نواز شریف کے لئے برا ہو گا اور اس کے لئے بے نظیر پر دباؤ ہے کہ وہ صدر اسحاق سے مصالحت کریں' نواز شریف سے نہ کریں کیونکہ صدر اسحاق سیاسی آدمی نہیں ہیں' زیادہ عمر نہیں ہے جبکہ نواز شریف میدان سیاست میں کافی عرصہ رہیں گے اور انہی سے مقابلہ کرنا ہو گا۔ اس لئے دوستی صدر سے ہونی چاہئے' وزیراعظم سے نہیں۔ یہ بحث پیپلزپارٹی کے حلقوں میں چل رہی ہے۔ صدر اور وزیراعظم دونوں کی لابی اپنا اپنا زور لگا رہی ہے اور بے نظیر صاحبہ کے دو ٹوک فیصلہ کے بعد پارٹی کے متحد ہونے کا بھی امکان نہیں ہے اور پیپلز پارٹی ہی نہیں' دوسری پارٹیوں میں بھی ٹوٹ پھوٹ ہو گی جن میں مسلم لیگ بھی شامل ہے۔

نبی اکرمؐ پر مشرکین مکہ کے ذاتی حملے

حیات طیبہؐ میں انقلابی جدوجہد کے مراحل اور مناظر

مخالفانہ طوفان کی شدت اور باری تعالیٰ کی جانب سے دلجوئی

ڈاکٹر اسرار احمد

نوائے وقت کے شکریے کے ساتھ

گذشتہ شمارے میں کسی انقلابی جدوجہد کے خلاف پہلے سے قائم شدہ نظام کے ردعمل کے مختلف مراحل کا اجمالی خاکہ بیان ہوچکا ہے۔ اور یہ بھی واضح ہوچکا ہے کہ پہلے مرحلے میں ایک جانب تو یہ کوشش کی جاتی ہے کہ انقلابی نظریات کا مذاق اڑا کر اور اس پر پھبتیاں چست کرکے گویا اسے چٹکیوں میں اڑا دیا جائے یا اس کے چراغ کو منہ کی پھونکوں سے بجھا دیا جائے اور دوسری جانب تمام شخصی مخالفت داعی کی ذات پر مرکوز کردی جاتی ہے کہ اسے طنز و استہزاء کا ہدف بنا کر اس کی قوت ارادی کو کچلنے کی کوشش کی جائے یا اس کی کردار کشی کے ذریعے اس کی شخصیت کو مشتبہ یا کم از کم متنازعہ بنا دیا جائے تاکہ "نہ رہے بانس' نہ بجے بانسری" کے مصداق اگر داعی ہی کی ہمت جواب دے جائے یا اس کی شخصیت ہی مشکوک ہو جائے تو انقلاب کا راستہ روکنے کے لئے کسی اور اقدام کی ضرورت ہی باقی نہ رہے۔

نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی حیات طیبہ کے دوران یہ مرحلہ آغاز وحی کے فوراً بعد سے شروع ہوکر تین چار سال تک جاری رہا۔ اور اس پر جتنا افسوس کیا جائے کم ہے کہ تاریخ اور سیرت کی کتابوں اور اخبار و آثار کے مجموعوں میں سیرت مطہرہ کے اس دور کے بہت ہی کم حالات اور واقعات روایت ہوئے ہیں۔ اور آپؐ کی حیات طیبہ کا یہ فیصلہ کن اور تاریخ ساز دور واقعاتی اعتبار سے بہت حد تک پردہ اخفا میں ہے۔ جس میں حیرت و استعجاب' تمسخر استہزاء' طنز و طعن اور الزام تراشی و تہمت طرازی کی تمام توپوں کے رخ تنہا نبی اکرم صلی اللہ کی ذات اقدس پر مرکوز تھے۔ نتیجتاً اچھے بھلے پڑھے لکھے لوگ بھی سیرت مطہرہ کے اس باب سے اتنے بے خبر ہیں کہ اندیشہ ہے کہ اس کا تذکرہ عام قارئین کو نامانوس ہی نہیں ناپسند بھی محسوس ہوگا۔ لیکن یہ اللہ کا بڑا فضل و کرم ہے کہ اس نے سید الانبیاء والمرسلین صلی اللہ علیہ وسلم کی حیات طیبہ کے اس باب کو قرآن حکیم کی آیات بینات کی صورت میں اس طرح اجاگر اور روشن کردیا ہے کہ بالکل ایسے محسوس ہوتا ہے کہ ؎

"ابھی اس راہ سے کوئی گیا ہے
کہے دیتی ہے شوخی نقش پا کی"

تاکہ آنے والے ادوار میں جب بھی کبھی آپؐ کا کوئی غلام اور امتی اقامت دین' اور اعلاء کلمہ اللہ کی جدوجہد کیلئے کمر ہمت کس کر عازم سفر ہو تو آپؐ کے نقوش پا کی یہ شوخی قدم قدم پر اس کی ڈھارس بندھائے اور ایک جانب "آئی صدائے جبریل تیرا مقام ہے یہی۔ اہل فراق کے لئے عیش دوام ہے یہی" کے مصداق اطمینان حاصل ہو کہ ہم صحیح راہ پر گامزن ہیں' اور دوسری جانب اس احساس سے ہمت بندھے کہ اگر "سرخی خار مغیلاں یہ پتہ دیتی ہے۔ تیرے دیوانے یہاں آئے یہاں تک پہنچے" کے مصداق محبوب رب العالمین اور سید الاولین و الاخرین صلی اللہ علیہ وسلم کی ذات مبارک کے ساتھ بھی اس عالم اسباب میں یہ کچھ ہوا تو ہم کس کھیت کی مولی اور کس باغ کے بتھوا ہیں کہ اس سے مستثنیٰ ہونا چاہیں۔

ذرا وقت نظر سے کام لیا جائے اور قرآن حکیم کی ترتیب نزولی کے اعتبار سے ابتدائی آیتوں اور سورتوں پر تدبر کیا جائے تو نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی دعوت پر اہل مکہ کا یہ اولین رد عمل بھی کئی مراحل میں منقسم نظر آتا ہے جن کا اجمالی بیان اوپر ایک جملہ میں ہوچکا ہے.... یعنی سب سے پہلے حیرت اور تعجب کا اظہار کیا گیا اور اس کے ساتھ ہی کسی قدر ہمدردی اور تشویش بھی ظاہر کی گئی۔ پھر جنون کا الزام عائد کیا گیا۔ پھر شاعر' ساحر اور کاہن قرار دیکر التفات' اعتبار اور اعتماد کے ناقابل ٹھہرایا گیا اور بالآخر دھوکہ' فریب اور کذب کے الزامات کے ذریعے کردار کشی کی گئی۔

ان میں سے جہاں تک حیرت اور تعجب کے اظہار کا تعلق ہے' قرآن حکیم کی حسب ذیل آیات کا حوالہ کافی ہوگا:۔

"لیکن انہیں بہت تعجب ہوا ہے اس پر کہ ان کے پاس آیا ہے ایک خبردار کرنے والا ان ہی میں سے چنانچہ یہ کافر کہتے ہیں کہ یہ تو بڑی عجیب بات ہے۔ کیا جب ہم مرجائیں گے اور مٹی ہوجائیں گے (تو ہمیں اٹھالیا جائے گا۔) یہ لوٹایا جانا تو بہت بعید (از قیاس) ہے۔" سورہ ق آیات ۲۔۳ (۲) "اور انہیں عجیب محسوس ہوا کہ آیا ہے ان کے پاس ایک خبردار کرنے والا ان ہی میں سے" سورہ ص آیت ۴ (۳) "کیا اس شخص نے تمام معبودوں کو (ختم کرکے) ایک ہی معبود بنا دیا ہے؟ یقیناً یہ تو بڑے ہی تعجب کی بات ہے!" سورہ ص آیت ۵

وحی کے آغاز اور دعوی نبوت کے فورا بعد حیرت و تعجب کے اظہار کیساتھ ساتھ آپؐ کو مجنون

بھی قرار دیا گیا۔ چنانچہ اس کا ذکر قرآن مجید کی متعدد آیات میں موجود ہے۔ مثلاً (۱) سورہ قلم کی آیت ۵۱ میں یہ الفاظ وارد ہوئے "اور وہ کہتے ہیں کہ یہ شخص یقیناً مجنون ہے" (۲) اسی طرح سورہ حجر کی آیت ۶ میں فرمایا گیا "اور انہوں نے کہا اے وہ شخص جس (کا خیال ہے کہ اس) پر ذکر نازل کیا گیا' تم یقیناً مجنون ہو!" (۳) اور سورہ صافات کی آیت ۳۶ میں فرمایا گیا "اور وہ کہتے ہیں کہ کیا ہم اپنے معبودوں کو ایک مجنون شاعر کے کہنے سے چھوڑ دیں گے؟" اور اس پر کبھی تو نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم سے دلجوئی کے انداز میں فرمایا گیا "ن۔ قسم ہے قلم کی اور جو کچھ یہ لکھتے ہیں اس کی۔ آپؐ اپنے رب کی رحمت سے جنون سے بالکل مبرا ہیں!" (سورہ قلم آیات ۱-۲) اور "آپؐ اپنے رب کے فضل سے نہ کاہن ہیں نہ مجنون" (سورہ طور آیت ۲۹) اور کبھی لوگوں کو مخاطب کر کے ان کے اس گمان یا الزام کی نفی کی گئی جیسے "اور تمہارے یہ صاحب (محمدؐ) ہرگز مجنون نہیں ہیں؟" (سورہ تکویر آیت ۲۲) اور "تمہارے ان صاحب (محمدؐ) کو ہرگز جنون کا عارضہ نہیں ہے۔" (سورہ سبا آیت ۴۶)

نبی اکرمؐ کے بارے میں اہل مکہ کے فوری رد عمل کے ان دونوں مظاہر یعنی حیرت اور تعجب کے اظہار اور جنون کے گمان یا الزام میں یہ قدر مشترک موجود تھی کہ جہاں یہ باتیں بدنیتی پر مبنی مخالفت کے تحت بھی کی جاتی تھیں وہاں ان میں ایک بے ساختہ فطری رد عمل بھی شامل تھا۔ اس لئے کہ اہل مکہ کی مذہبی اور قومی روایات نبوت و رسالت کے تصور اور بعث بعد الموت ذکر سے خالی تھیں لہٰذا ان میں سے اکثر کے لئے یہ باتیں ابتداء میں بہت اچنبھے کی باعث بنیں۔ مزید برآں مجنون کسی فاتر العقل اور خلل دماغی کے عارضے میں مبتلا شخص ہی کو نہیں کہتے' ایسے شخص کو بھی کہتے ہیں جس پر کوئی جن مسلط ہو گیا ہو یا آسیب کا سایہ ہو گیا۔ اور چونکہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کا دعوی نبوت اسی صراحت کے ساتھ تھا کہ ایک فرشتہ (حضرت جبریل) میرے پاس غار حرا میں آیا اور اس نے مجھ تک اللہ کی وحی پہنچائی لہٰذا لوگوں کے لئے یہ گمان کرنے کا کافی موقع تھا کہ آپؐ پر کسی جن یا آسیب کا اثر ہو گیا ہے۔ چنانچہ بعد میں جہاں مخالفین نے تو اسے اپنے مذموم مقصد کے لئے پراپیگنڈے کی بنیاد بنایا وہاں بعض لوگوں میں تاسف آمیز ہمدردی بھی پیدا ہوئی۔ چنانچہ سیرت کی کتابوں میں یہ واقعہ بیان ہوا ہے کہ ایک بار عتبہ ابن ربیعہ نے جو قریش کے بزرگوں میں سے بھی تھا' اور نسبتاً شریف النفس اور حلیم الطبع انسان تھا' ایک بار اسی ہمدردانہ انداز میں آنحضورؐ سے کہا "بھتیجے! اگر تم پر کوئی سایہ وغیرہ ہو گیا ہے تو مجھے بتا دو۔ میں بہت سے عاملوں اور روحانی معالجوں سے واقف ہوں تمہارا علاج کرا دوں گا" اسی طرح قرآن مجید میں دو مقامات پر کفار مکہ کا وہ قول نقل ہوا ہے جس میں نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کو "مسحور" قرار دیا گیا (سورہ بنی اسرائیل آیت ۴۷ اور سورہ فرقان آیت ۸) تو اس میں بھی جہاں مخالفانہ پروپیگنڈے کا عنصر موجود ہے وہاں متذکرہ بالا تاسف آمیز ہمدردی کا امکان بھی موجود ہے اس لئے کہ ہر قوم کو خواہ وہ عقیدہ اور عمل کے اعتبار سے بحیثیت مجموعی کتنی ہی پستی میں گر چکی ہو' اپنے ذہین' ہونہار اور باصلاحیت افراد سے توقع ہوتی ہے کہ وہ قوم کی ترقی اور سربلندی کا ذریعہ بنیں گے اور آباؤ اجداد کا نام روشن کریں گے۔

پھر اگر لوگ دیکھیں کہ ایسے کسی شخص نے نسلی عقائد کی نفی اور قومی روایات کی مخالفت شروع کر دی ہے تو بہت سے لوگوں کو فطری طور پر افسوس ہوتا ہے۔ چنانچہ اس کی ایک نمایاں مثال حضرت صالحؑ کی قوم کا وہ قول ہے جو سورہ ہود کی آیت ۶۲ میں وارد ہوا یعنی اے صالح تمہارے ساتھ تو اس سے قبل ہماری بہت سی امیدیں وابستہ تھیں!۔۔ اس سے بخوبی قیاس کیا جا سکتا ہے کہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم جیسی محبوب اور دلاویز شخصیت کے دعوی نبوت پر' جنہیں قوم نے اس سے قبل "الصادق" اور "الامین" ایسے خطابات دیئے تھے' جہاں بہت سے حاسدوں اور بدخواہوں نے تمسخر استہزا اور مخالفانہ پروپیگنڈے کی روش اختیار کی' وہاں بہت سے لوگوں کی قومی اور قبائلی امنگوں کو بھی دھچکا لگا ہو گا۔ انہیں واقعتاً تعجب بھی ہوا ہو گا اور افسوس بھی!

ادھر اپنے بارے میں جنون کے اس گمان یا الزام پر جو صدمہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کو ہوا اس کا ذکر بھی قرآن حکیم میں وضاحت کیساتھ موجود ہے۔ چنانچہ قرآن حکیم کی جن سورتوں میں آپؐ کے بارے میں جنون کے گمان یا الزام کا ذکر آیا ان میں آپؐ کی دلجوئی اور تسلی و تشفی کے الفاظ بھی وارد ہوئے اور آپؐ کو صبر کی تلقین بھی کی گئی۔ جیسے سورہ حجرات (آیت نمبر ۹۷) میں فرمایا "ہمیں خوب معلوم ہے کہ جو کچھ یہ لوگ کہہ رہے ہیں اس سے آپ کا سینہ (صدمہ اور رنج کے باعث) بھنچتا ہے۔ اور سورہ قلم کے آغاز میں تو یہ فرمایا "آپؐ اپنے رب کے فضل سے جنون سے قطعاً مبرا ہیں۔ اور آپؐ کو (اس صدمہ پر جو آپ کو ان کی باتوں سے پہنچ رہا ہے) ایسا اجر ملنے والا ہے جس کا سلسلہ کبھی منقطع نہیں ہو گا اور آپؐ تو اخلاق عالیہ کی معراج پر فائز ہیں۔ پس عنقریب آپؐ بھی دیکھ لیں گے اور ان کی نگاہوں کے سامنے بھی آ جائے گا کہ فتنہ میں کون پڑ گیا تھا' آپ یا یہ لوگ" (آیات ۲ تا ۶) اور اختتام پر صبر کا حکم بھی دیا اور کسی عجلت پسندانہ رد عمل سے بچنے کی تلقین بھی فرمائی (آیت ۴۸) اسی طرح سورہ مزمل کی ابتدائی آیات میں بھی یہ الفاظ شامل ہیں کہ "پس صبر کیجئے اس پر جو یہ لوگ کہہ رہے ہیں اور ان سے لاتعلقی اختیار کر لیجئے لیکن نہایت خوبصورت انداز میں!" (آیت ۱۰)

بہرحال جب ایک جانب نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم اپنے دعوئ نبوت اور دعوت رسالت پر کمال استقامت اور غایت صبر و ثبات کے ساتھ جمے رہے اور دوسری جانب وحی کا سلسلہ زور پکڑ گیا اور قرآن کی فصاحت' بلاغت اور ندرت نے دلوں کو اور اس کے سادہ اور فطری طرز استدلال نے ذہنوں کو مسخر کرنا شروع کر دیا تو مکہ میں کھلبلی مچ گئی اور اس کے نتیجے میں وہ خالص مخالفانہ رد عمل شروع ہوا جو ابتدا میں تو صرف مدافعانہ انداز کا حامل تھا لیکن جیسے جیسے وقت گزرا' جارحانہ رنگ اختیار کرتا چلا گیا۔ چنانچہ آغاز میں تو آپؐ کو صرف (کاہن' شاعر اور ساحر" قرار دینے پر اکتفا کی گئی اور اس کے ساتھ ساتھ لوگوں کو قرآن کے سننے سے روکنے کی تدابیر کی گئیں۔ لیکن بعد میں ایک جانب آپؐ پر (نعوذ باللہ من ذالک) کذب و افترا تک کے الزامات عائد کئے گئے اور دھوکے اور فریب تک کی تہمتیں لگائی گئیں اور دوسری جانب آپؐ پر دست درازی اور جسمانی تشدد تک سے گریز نہیں کیا گیا۔ ان میں آخری معاملہ یعنی جسمانی تعذیب اور تشدد تو آپؐ اور آپؐ کے ساتھیوں کے مابین مشترک تھا بلکہ واقعہ یہ ہے کہ اس کا اصل ہدف اور تختہ مشق تو آپؐ کے صحابہؓ ہی بنے اور ان میں سے بھی بالخصوص وہ' جن کا تعلق غلاموں کے طبقے سے تھا' یا جو اجنبی تھے اور کسی قریشی کے حلیف کی حیثیت سے مکہ میں مقیم تھے۔ لہٰذا اس کا تذکرہ تو ہو گا ہی اگلے مرحلے کے ضمن میں۔ جہاں تک پہلی تین باتوں کا تعلق ہے' بحمداللہ ان کا ذکر بھی مفصل واقعات کی صورت میں تاریخ اور سیرت کی کتابوں میں موجود ہے' لہٰذا تفصیل میں

جانے کی چنداں ضرورت نہیں ہے۔ البتہ چونکہ اوپر تعجب کے اظہار اور جنون کے گمان یا الزام کے بارے میں قرآن حکیم کی آیات مبارکہ کا حوالہ آیا ہے لہٰذا مخالفانہ ردعمل کے بعد کے مراحل کے ضمن میں بھی مطالعہ قرآن کے اعتبار سے بعض کے حوالے دلچسپی اور فائدے کا ذریعہ بنیں گے۔

(۱) جہاں تک آپؐ کو کاہن قرار دینے کا تعلق ہے اس کے ڈانڈے بھی جنون ہی سے ملتے ہیں۔ اس لئے کہ کہانت کا کاروبار بھی جنات ہی کی مدد سے چلتا تھا لہٰذا جنون کے گمان یا الزام کی طرح یہ خیال بھی فوراً ہی مسترد ہوگیا۔ یہی وجہ ہے کہ قرآن میں اس کا ذکر صرف دو مقامات پر آیا ہے اور وہ بھی سرسری طور پر (سورہ طور آیت ۲۹ اور سورہ حاقہ آیت ۴۲)

(۲) البتہ شاعری کا الزام قرآن کے ملکوتی غنا کے پیش نظر کسی قدر قابل اعتناء تھا لہٰذا اس کا ذکر بھی قرآن میں چار مقامات پر آیا ہے۔ (سورہ انبیاء ۵، سورہ صافات ۳۶، سورہ طور ۳۰ اور سورہ حاقہ ۴۱) اور اس کی نفی بھی زیادہ زور دار انداز میں اور کسی قدر تفصیلی وضاحت کے ساتھ کی گئی۔ (سورہ یٰس ۶۹، اور سورہ شعراء ۲۲۴ تا ۲۲۶)

(۳) اسی طرح قرآن کی شدت تاثیر کے پیش نظر قرآن کو سحر اور آپؐ کو ساحر قرار دینے پر تو آپؐ کے مخالفین اور معاندین کا تقریباً اجماع ہوگیا تھا۔ یہی وجہ ہے کہ اس کا تذکرہ بھی قرآن میں مختلف اسالیب سے بکثرت مقامات پر موجود ہے اور اس کے ضمن میں قریش کے بزرجمہر ولید بن مغیرہ کے "اجتہاد" کا جو نقشہ سورہ مدثر کی آیات ۱۸ تا ۲۵ میں کھینچا گیا ہے وہ تو بہت ہی مفصل اور دلچسپ ہے!

(۴) لوگوں کو قرآن سننے سے روکنے کے ضمن میں بھی سیرت کے واقعات سے معلوم ہوتا ہے کہ موثر ترین حربہ یہی تھا کہ (نعوذ باللہ) یہ شخص جادوگر ہے۔ اس سے بچ کر رہو۔ اس پر مستزاد جو عملی تدبیریں اس مقصد کے حصول کے لئے باہمی مشورے سے اختیار کی گئیں ان میں سے بھی دو کا ذکر قرآن حکیم میں موجود ہے ..... یعنی (۱) یہ کہ جب محمدؐ لوگوں کو قرآن سنانے کے لئے کھڑے ہوں تو شور مچاؤ یعنی موجودہ اصطلاح میں "ہوٹنگ" کرو جس کا ذکر سورہ حم السجدہ کی آیت ۲۶ میں وارد ہوا ہے۔ اور (۲) رقص و سرود کی محفلیں منعقد کرکے لوگوں کو ان میں مشغول کردو۔ جس کا ذکر سورہ لقمان کی آیت ۶ کی تفسیر کے ضمن میں نضر ابن حارث کی اختیار کردہ تدبیر کے طور پر مذکور ہے۔

(۵) نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی قوت ارادی کو مضمحل کرنے یا بس پڑے تو کچل ڈالنے کے لئے طنز، استہزا اور تمسخر پر مستزاد یہ تدبیر بھی اختیار کی جاتی تھی کہ آپ کو گھور کر دیکھا جائے یعنی جدید اصطلاح میں "براہ راست" کی جائے جس کا ذکر سورہ قلم کی آخری آیت میں ہے۔ جس کی تفسیر میں یہ واقعہ بھی مذکور ہے کہ اس مقصد کے لئے ایک ماہر پیشہ ور عامل کی خدمات بھی حاصل کی گئیں۔

(۶) اور اس باب کا آخری اور دلخراش ترین باب یہ ہے کہ جب باقی تمام تدبیریں ناکام ہوگئیں اور نبی اکرمؐ نے کمال استقامت کا مظاہرہ کیا اور آپؐ کے مخالفین اور معاندین نے ایک جانب آپؐ کی نیت پر حملہ کیا کہ آپؐ کی اس دعوت اور تحریک سے آپ کی کوئی ذاتی غرض اور حوصلہ مندی وابستہ ہے۔ (سورہ ص آیت ۶) اور دوسری جانب وہ باقاعدہ سب و ستم پر اتر آئے اور آپؐ پر کذب اور افترا کے الزامات بھی عائد کئے (سورہ ص: ۴ اور سورہ شوریٰ: ۲۴) چنانچہ یہ بھی کہا گیا کہ قرآن آپ کا اپنا کلام ہے جسے آپؐ غلط طور پر اللہ کی طرف منسوب کررہے ہیں، اور اس انتہائی ڈھٹائی کا بھی مظاہرہ کیا گیا کہ یہ آپؐ کو کچھ اور لوگ املا کراتے ہیں جن سے "ڈکٹیشن" لے کر آپؐ ہم پر خواہ مخواہ دھونس جماتے ہیں۔ (سورہ فرقان - ۴:۵)

الغرض ..... یہ ہے نبی اکرمؐ کی انقلابی دعوت پر اہل مکہ کا ابتدائی ردعمل جو تقریباً تین چار سال تک کل کا کل آپؐ ہی کی ذات مبارکہ پر مرکوز رہا۔ اور اپنی ان زبانی کلامی مساعی میں ناکامی کے بعد ہی آپؐ کے مخالفین نے جسمانی تعذیب اور تشدد کا آغاز کیا جس کا ذکر آئندہ صحبت میں ہوگا (ان شاء اللہ)۔

KHALID TRADERS
IMPORTERS – INDENTORS – STOCKISTS & SUPPLIERS OF WIDE VARIETY OF BEARINGS, FROM SUPER – SMALL TO SUPER – LARGE
AUTHORIZED AGENTS NTN BEARINGS

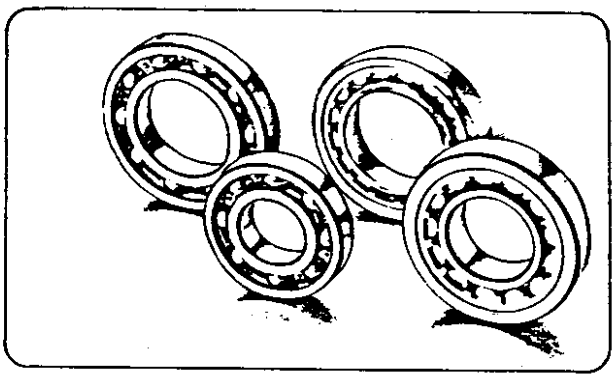

PLEASE CONTACT
TEL : 7732952-7735883-7730593
G.P.O. BOX NO. 1178, OPP KMC WORKSHOP
NISHTER ROAD, KARACHI-74200 (PAKISTAN)
TELEX : 24824 TARIQ PK CABLE : DIMAND BALL FAX : 7734776

FOR AUTOMOTIVE BEARINGS : Sind Bearing Agency 64 A-65, Manzoor Square Noman St. Plaza Quarters Karachi-74400 (Pakistan)
Tel : 7723358-7721172

LAHORE : (Opening Shortly) — Amin Arcade 42, Brandreth Road, Lahore-54000 Ph : 54169

GUJRANWALA : — 1-Haider Shopping Centre, Circular Road, Gujranwala Tel : 41790-210607

WE MOVE FAST TO KEEP YOU MOVING

ایودھیا رام مندر کے لئے سونے کی اینٹ عمان سے آئی تھی

ہندو فاشزم اور مسلمانوں کی مدہوشی

سعودی عرب میں اسرائیل کے مفادات کے لئے بھارتی حکومت سب سے زیادہ سرگرم عمل ہے

اخذ و ترجمہ: ابن صالح

گذشتہ شمارے میں ایک خاتون کے جذبات آپ نے ملاحظہ کئے' اس ضمن میں لندن سے شائع ہونے والے جریدہ "امپکٹ انٹرنیشنل" فروری' مارچ 93ء کے مندرجات پیش ہیں

بھارت میں رونما ہونے والے حالیہ واقعات کے نتیجے میں بھیڑ کی کھال میں چھپا ہوا ہندو بھیڑیا توانا ہو کر سامنے آگیا ہے۔ یہ ہماری کوتاہ اندیشی ہے ورنہ کم از کم ربع صدی قبل ہمیں اس کا احساس ہو جانا چاہئے تھا۔ فتح کے نشے میں چور بھارتی فاشزم عرب' ایران اور مشرق وسطیٰ کو آنکھیں دکھا رہا ہے اور پوری دنیا پر برہمنی غلبے کا خواب دیکھ رہا ہے۔

اسے کسی جنونی کی بڑ سمجھ کر نظرانداز کر دینا عقلمندی نہیں ہوگی۔ یہ پاگل پن بہرحال زبردست طاقت بن کر جارحیت پر تل چکا ہے۔ ہم اسے ان کی خوش فہمی پر محمول کرتے رہے مگر ان کے نزدیک ساری چیزیں طے شدہ منصوبے کے مطابق صحیح رخ پر جا رہی ہیں--- سولہویں صدی میں ایک فرانسیسی یہودی کی پیش گوئیوں کی جو توجیح ہندو کرتے ہیں اس کے مطابق ۱۹۹۳ء میں بھارت میں ہندوؤں اور سکھوں کا ایک مضبوط "راشٹر" وجود میں آئے گا۔ بابری مسجد کے انہدام کے چھ ہفتے بعد ایک ہندو مصنف جی۔ ایس۔ ہرانیاپا کا "آرگنائزر" میں' جو آر ایس ایس کا ترجمان ہے' مضمون شائع ہوا تھا جس میں صحیح ثابت ہونے والی پیش گوئیوں کا تذکرہ تھا۔ مثلاً سابق وزیراعظم راجیو گاندھی کا قتل' سوویت یونین کا خاتمہ اور ان میں سب سے نمایاں پیش گوئی دسمبر ۹۲ء میں ایودھیا میں بابری مسجد کے انہدام کی تھی۔

ہندوؤں کی نگاہ میں ۱۹۹۵ء تک پاکستان مکمل طور پر نیست و نابود ہو جائے گا۔ ۱۹۹۳ء تک عرب اور ایران کا اپنے تیل پر تسلط باقی نہیں رہے گا اور ۱۹۹۷ء تک عرب' شام اور ایران ہندو مذہب اختیار کر لیں گے۔ ایسے کٹر مسلمان جو مذہب اختیار کرنے سے گریز کریں گے وہ لیبیا بھاگ جائیں گے اور قذافی کو اقتدار سے الگ کر دیں گے۔ ۱۹۹۹ء میں تیسری عالمی جنگ بھڑک اٹھے گی اور ۲۰۰۶ء تک اسلام اور چین دونوں کا صفحہ ہستی پر وجود باقی نہیں رہے گا جس کے بعد یہ "اجڑی پچڑی" دنیا دوبارہ ہندومت کے تحت بسے گی۔ ۱۹۸۵ء میں کی گئی ان پیش گوئیوں کے مطابق مشرق وسطیٰ کو ایک سکھ جرنیل فتح کرے گا اور اگلی صدی کی پوری دنیا ہندو ہوگی۔

پیش گوئیوں کا معاملہ یہ ہوتا ہے کہ اچھا بھلا انسان ہو یا بالکل احمق' ان میں ہر قسم کے لوگ اپنے خوابوں کی تعبیر تلاش کرتے ہیں۔ ظاہر ہے پیش گوئیوں کی کوئی عقلی بنیاد نہیں ہو سکتی لیکن ہندوستان میں درپردہ پروان چڑھنے والی جنگجویانہ ذہنیت کو ان سے ضرور شہہ ملی ہے۔

اس وقت قابل توجہ بات یہ ہے کہ ہندو سوچ کیا رہا ہے۔ یہ بعد کی بات ہے کہ کیا ہوتا ہے اور کیا نہیں ہوتا۔ اس سے بھی آگے غور طلب بات یہ ہے کہ ماضی میں اس طرح کی لایعنی باتیں ہندوستان کے خاصے معقول اور قابل احترام اشخاص کی زبان سے سننے میں آتی رہی ہیں جو اب نچلے درجے میں عام ہو چکی ہیں۔ "بھارت کو دنیا میں ثانوی کردار قبول نہیں یا تو وہ اپنا مقام حاصل کرے گا یا خاموش رہے گا"--- یہ بات نہرو نے اپنی کتاب Discovery Of India میں لکھی ہے۔ ان سے بھی بڑے ایک ہندو لیڈر "لکمانیا تلک" نے ۱۹۱۹ء میں ایک فرانسیسی رہنما سے کہا کہ دوسروں کو شاید یہ بات اچھی نہ لگے لیکن انڈیا ہر حال میں ایشیا کی سب سے بڑی طاقت بننے کا خواہشمند ہے۔ نہرو اور "تلک" نے جو محتاط انداز اپنایا اس کی وجہ یہ تھی کہ ہندوستان کو ابھی آزادی نہیں ملی تھی۔ ۱۹۴۷ء میں آزادی اور ۱۹۷۴ء میں جوہری طاقت کے حصول کے بعد اس احتیاط کی اتنی ضرورت باقی نہیں رہی۔ خارجہ امور کے ماہرین کھلے طور پر بھارت کے فوجی مفادات کی بات کرتے رہے ہیں۔ بھارتی سفارت کار اور نظریاتی علوم کے ماہر' کے۔ ایم پانیکر کے مطابق مارشس' سنگاپور' عدن اور سکاترا جیسے دور دراز اڈوں پر مکمل بالادستی حاصل کئے بغیر بھارت کی سالمیت اور تحفظ کی ضمانت دینا مشکل ہے۔ اس نظریہ کو ایک دوسرے بین الاقوامی تصور پر مہارت رکھنے والے بھارتی عہدیدار ایس۔ آر۔ پٹیل نے یہ کہہ کر آگے بڑھانے کی کوشش کی اور بھارت کی خصوصی دلچسپی کے جو علاقے گنوائے وہ شمال میں افغانستان' چین' مغرب میں سویز' فلسطین' مشرق میں

ملایا' انڈونیشیا اور سنگاپور تک جاتے ہیں۔ انہوں نے زور دیکر کہا کہ بحرہند جو سویز سے سنگاپور تک پھیلا ہوا ہے' بھارت کی ملکیت ہے اگر دیکھا جائے تو دفاعی نکتہ نگاہ سے بالکل یہی دلائل اسرائیل کے ہیں۔ یعنی دوسرے ممالک پر قبضے کے بغیر وہ اپنے آپ کو غیر محفوظ تصور کرتا ہے۔ اس تناظر میں حیدر آباد' جوناگڑھ' سکم' بنگلہ دیش' سری لنکا' مالدیپ اور جموں و کشمیر کے بارے میں بھارتی رویہ سمجھنا مشکل نہیں رہتا۔

اب جبکہ بھارت میں نام نہاد سیکولر طبقہ کی جگہ ننگا فاشزم لے رہا ہے جو اپنے عالمی اور علاقائی عزائم کے بارے میں کسی طرح کا اخفاء ضروری نہیں سمجھتا اور سویز سے سنگاپور تک پورے خطے میں اپنی حاکمیت جتلا رہا ہے' پڑوسی ممالک چین کی بانسری بجا رہے ہیں اور پہلے سے بھی زیادہ اس کے ساتھ خوشگوار تعلقات قائم کرنے کیلئے بے تاب نظر آرہے ہیں۔ بوسنیا میں جو کچھ ہوا' اسے جاننے میں مسلم دنیا کو چھ ماہ کا عرصہ لگا اور مزید تین ماہ اس بارے میں بیان تیار کرنے پر لگ گئے۔ بابری مسجد کو گرانے کے بعد جس منظم طریقے سے "پولیس کارروائی" کے ذریعے وہاں مسلمانوں کا قتل عام کیا گیا ہے اس سے صاف نظر آتا ہے کہ بوسنیا میں سربوں کے ہاتھوں مسلمانوں کے صفائے کی نسبت ہندوؤں کے ہاتھوں بھارتی مسلمانوں کا صفایا زیادہ آسان ہے۔ اس کے باوجود کہ ہندوستان میں مسلمانوں کی تعداد پندرہ' بیس کروڑ ہے۔ مسلم ممالک اور تنظیموں کی طرف سے بابری مسجد کے واقعہ پر غم و غصے کا جو اظہار کیا گیا اسے بھارتی حکومت نے بڑی رعونت سے "اپنا داخلی معاملہ" کہہ کر رد کردیا اور انہیں خبردار کیا کہ بھارت اقوام متحدہ میں عربوں کی حمایت پر نظرثانی کرسکتا ہے۔ جس کا مطلب ہے بھارتی حکمرانوں کے بیانات اور خارجہ حکمت عملی سراسر دھوکے اور فریب پر مبنی ہے۔ ایک طرف تو ہندوؤں کا بابری مسجد پر قبضہ کروا کر گزشتہ بیالیس برس تک مسلمانوں کو اس سے دور رکھا اور دوسری طرف اسے ایک بوسیدہ اور غیر آباد مسجد قرار دے رہے ہیں۔ بھارت کے وزیراعظم نرسیما راؤ نے افسوس کا اظہار کرتے ہوئے یہ وعدہ کیا کہ مسجد کو دوبارہ تعمیر کروایا جائے گا لیکن چند ہی روز میں وضاحت آگئی کہ انہوں نے ایک مسجد تعمیر کروانے کا کہا تھا' بابری مسجد کا نہیں۔ اسی طرح خارجہ پالیسی کے ضمن میں بھارت ہمیشہ عربوں اور اسرائیل دونوں کو خوش رکھنے کی کوشش کرتا رہا اور بڑی چالاکی سے پیٹرو ڈالر عربوں سے ہتھیائے لیکن کاروباری اور فوجی تعلقات اسرائیل کے ساتھ رکھے۔

بعض مسلم ممالک کے مضحکہ خیز طرز عمل سے بھی بھارت کو تقویت ملی اور اسے اگر عرب ممالک کی طرف سے کوئی تشویش لاحق بھی تھی تو وہ جاتی رہی۔ متحدہ عرب امارات نے کوئی وقت ضائع کئے بغیر ان پاکستانیوں کو اکٹھا کرکے فوراً واپس وطن بھیج دیا جنہوں نے بعض دوسرے مسلمانوں کے ساتھ مل کر وہاں بابری مسجد کے گرائے جانے پر مظاہرے میں حصہ لیا تھا۔ یہاں تک کہ انہیں اپنا سامان بھی لینے کی اجازت نہیں دی گئی۔ الجزائر کے غاصب مسلم حکمرانوں کے اس احمقانہ اعلان پر بھی بھارتی اخبارات میں خوشی کا اظہار کیا گیا کہ الجزائر میں "غیر قانونی" مساجد کو زبردستی گرادیا جائے گا گویا مساجد کی تعمیر بھی' غیر قانونی عمل قرار دیا جاسکتا ہے۔ انا للہ وانا الیہ راجعون !--- آر ایس ایس کے ترجمان جریدے "آرگنائزر" (۱۰ جنوری ۹۳ء) میں شائع ہونے والی یہ خبر بھی وہاں کے حلقوں کیلئے اطمینان کا باعث بنی کہ بابری مسجد کے انہدام کے اگلے روز خلیج کے ایک عرب ملک قطر نے بھارت کے ساتھ تجارتی معاہدہ پر نہ صرف دستخط کئے بلکہ بھارت کو یقین دہانی کرائی گئی کہ بابری مسجد کے اس واقعہ سے باہمی تعلقات پر کوئی اثر نہیں پڑے گا۔ مذکورہ جریدے کے ہمارے کالم نگار کو اس کا تو علم ہی نہ ہوسکا کہ صرف دو روز بعد ایک دوسرے ملک' عمان کے ساتھ بھارت سلطنت عمان کے ساحل پر مشترکہ بحری مشق میں حصہ لے رہا ہے کسی خلیجی ریاست میں بھارت کیلئے فوجی مشق کا یہ پہلا موقع تھا۔ ایسا نظر آتا ہے کہ ملک کی ہزار سالہ مسلم تاریخ کا داغ دھونے کا عمل شروع کرکے بھارت نے گویا مسلمان حکمرانوں کے دل کی بات کہہ دی ہے۔ یکم فروری کو بھارت کے وزیردفاع شردپوار چار روزہ سرکاری دورے پر کوالالمپور پہنچے اور دفاعی معاہدے پر دستخط کئے۔ یہ بھی کسی بھارتی وزیر دفاع کا وہاں کا پہلا دورہ تھا۔ حیرت ہے کہ ملائیشیا تازہ ہندو فاشزم کی مکمل تاج پوشی کا بھی انتظار نہیں کرسکا۔ تاہم بھارت کے وزیر زراعت بلرام جاکھڑ کی ۲۸ جنوری کو تہران میں صدر رفسنجانی کے ساتھ ملاقات کے موقع پر اس واقعہ کا بھی تذکرہ ہوا اور صدر رفسنجانی نے اس امید کا اظہار کیا کہ بھارتی حکومت آئندہ زیادہ حکمت کے ساتھ ایسے واقعات کی پیش بندی کرسکے گی۔ صدر رفسنجانی صاحب کی اس "امید" کے کیا کہنے لیکن انہوں نے تو وزیر موصوف سے یہ دریافت کرنے کی زحمت ہی نہیں کی کہ وہ کون سی "سامراجی طاقت" ہے جس کا راستہ بھارت' ایران

عرب اور مسلم ممالک میں
ہندو آبادی

افغانستان	120,000
الجیریا	500
بحرین	20,000
بنگلہ دیش	11,000,000
برونائی	500
چاڈ	20
مصر	5,000
گیمبیا	500
گنی	50
انڈونیشیا	5,000,000
ایران	10,000
عراق	5,000
اردن	1,000
کویت	10,000
لبنان	100
لیبیا	500
ملائیشیا	1,095,000
مراکش	50
نائیجیریا	22,000
پاکستان	1,100,000
قطر	500
سعودی عرب	5,000
سینیگال	100
سری لون	500
صومالیہ	5,000
جنوبی یمن	5,000
سوڈان	500
شام	100
تنزانیہ	60,000
تیونس	100
ترکی	100
یو اے ای	15,000
ٹوٹل	18,482,120

بشکریہ <آرگنائزر> 15 نومبر 1992ء

کے ساتھ مل کر روکنا چاہتا ہے۔ روس۔؟ امریکہ۔؟ چین۔؟ یا اسرائیل۔؟؟

دبئی میں مقیم جنگ انٹرنیشنل کے نامہ نگار کے حوالے سے سلطنت عمان میں ایک بھارتی ہندو سیٹھ کے مبینہ قتل کی مختصر سی خبر لوگوں کی نظر سے گزری ہوگی' خیال ہے کہ یہ وہ صاحب تھے جنہوں نے بعض دوسرے ہندوؤں کے ساتھ بابری مسجد کی جگہ پر مجوزہ رام مندر کی بنیاد رکھنے پر خالص سونے کی اینٹ وہاں سے بھجوائی تھی۔ بنیاد ڈالنے کی یہ رسم ۹ دسمبر ۱۹۸۹ء کو بابری مسجد سے قدرے فاصلے پر ادا کی گئی تھی۔ اطلاع ہے کہ بی جے پی کے صدر مرلی منوہر جوشی نے گزشتہ نومبر عمان کے دارالحکومت مسقط کا دورہ کیا تھا جہاں ان کے اعزاز میں ایک ہندو کے ملکیتی فائیو سٹار ہوٹل میں تقریب کا اہتمام کیا گیا۔ جوشی نے وہاں کے ہندو تاجروں کے ساتھ بند کمرے میں ملاقاتیں کیں اور بتایا جاتا ہے کہ وہاں سے کئی ملین ریال جمع کر کے لائے۔ بتایا جاتا ہے کہ رام مندر کی تعمیر کیلئے زیادہ تر رقوم خلیج سے ہندو تاجروں نے فراہم کیں' خلیج میں دو لاکھ سے زائد ہندو رہتے ہیں۔ دیگر عرب اور مسلم ممالک میں رہنے والے ہندوؤں کی تعداد کیلئے چارٹ ملاحظہ کریں' جن میں امیر ترین کاروباری خاندانوں میں سے چند ایک کے نام یہ ہیں۔ دبئی کا مشتی گروپ' مسقط میں کھجی رام داس اور سعودی عرب میں راجو جتوانی اینڈ ارورہ۔ باخبر ذرائع کے مطابق ۱۹۸۹ء میں ایودھیا میں رام مندر کا سنگ بنیاد رکھتے ہوئے انہی ممالک سے رقم اور سونے کی اینٹیں آئی ہیں۔

سعودی عرب میں ایک سو کے لگ بھگ بڑے کاروباری ادارے ہیں اور بیس کے قریب ایسے ہیں جن میں پچاس سے نوے فیصد چوٹی کے عہدیدار ہندو ہیں۔ سعودی کیبل کمپنی' دی کانو گروپ' دی جفالیس' دی میامنی اور بن زگر وغیرہ میں بہت بڑی تعداد میں ہندو کام کرتے ہیں۔ الجراسی بہت بڑی کمپنی ہے جس کا مینیجر ایک ہندو ہے اور جس کے مسلمانوں کے بارے میں خیالات ڈھکے چھپے نہیں ہیں یعنی "مسلمان موٹے دماغ کے اور ہر لحاظ سے ناکارہ ہیں۔" دراب آئی بی ایم اور بن لادن میں بھی اہم عہدوں پر ہندو فائز ہیں جو بڑی ہوشیاری سے مالکان کو ان لوگوں کے بارے میں بدظن کرتے رہتے ہیں کہ یہ لوگ آئے روز مکہ مکرمہ اور مدینہ منورہ کا چکر لگاتے رہتے ہیں جس کی وجہ سے کام کوئی نہیں ہوتا۔ یہی وجہ ہے کہ بن زگر گروپ کی کئی ذیلی کمپنیاں ہیں مگر باہر سے آئے ہوئے مسلمانوں میں سے صرف چند ایک وہاں ملازم ہیں۔ مثال کے طور پر جدہ میں العلیاء انشورنس کمپنی میں سارے کے سارے مہاراشٹر' جہاں سب سے زیادہ مسلمانوں کو جلایا گیا' سے آئے ہوئے ہندو ملازم ہیں۔ چونکہ تعداد کے لحاظ سے انہیں اکثریت حاصل ہے اس لئے دین اسلام اور مسلمانوں کے خلاف اپنی نفرت کے اظہار میں کوئی ہچکچاہٹ محسوس نہیں ہوتی۔ ان میں سے ایک نے تو اذان کا باقاعدہ مذاق اڑایا اور جب ایک مسلمان نے اسے ٹوکا تو کسی بہانے اس مسلمان کو ملازمت سے ہی الگ کروادیا۔ اعلیٰ ہندو افسران کام کے دوران مسلمانوں کو نماز سے منع کرتے ہیں۔ ایسی بھی مثالیں سامنے آئی ہیں کہ ہندو چپکے چپکے حرمین میں جاگھسے۔ ایسا ہی عبدالرحمان مظفر اسٹیبلش منٹ کے ایک ہندو ملازم نے کیا جس کے مکہ مکرمہ میں پکڑے جانے پر مالکان کیلئے مسئلہ کھڑا ہوگیا اور اسے بچانے کیلئے انہیں خاصی تگ و دو کرنا پڑی' بالآخر اس نے یہ کہہ کر جان چھڑائی کہ وہ مسلمان ہوگیا ہے حالانکہ وہ اسی طرح اپنی ہندووانہ رسومات ادا کرتا رہا۔

ہندو ڈاکٹروں 'خاص کر لیڈی ڈاکٹروں' کا سعودی معاشرہ میں عمل دخل یہاں تک بڑھ گیا ہے کہ ایک ہندو لیڈی گائنی کالوجسٹ 'بغیر طبی ضرورت کے اسقاط حمل انجام دیتی رہی اور جب لوگوں کو اس کا علم ہوا تو ملک سے فرار ہوگئی۔ اسی طرح تبوک میں بھی ایک ہندو ڈاکٹر کی حرکتوں کے بارے میں بتایا جاتا ہے۔ بعض متعصب ہندو ڈاکٹر بنگلہ دیشی' بھارتی اور پاکستانی مسلم خواتین کے ساتھ جو توہین آمیز سلوک روا رکھتے ہیں وہ ایک الگ داستان ہے۔

یہاں رہنے والے ہندوؤں کے حوصلے اتنے بڑھ چکے ہیں کہ انہوں نے بابری مسجد کے گرائے جانے پر اپنی خوشیاں چھپانے کی قطعاً کوشش نہیں کی۔ جدہ میں بھارتی سفارت خانے کے سکول کے اساتذہ نے تلک لگا کر اپنی فتح کا جشن منایا اور ایک دوسرے کو مبارکباد پیش کی۔ ہندو اساتذہ کی دیکھا دیکھی ہندو طلباء نے بھی ساتھی مسلمان طلباء پر فقرے چست کئے۔

انتہاپسند ہندوؤں اور بھارتی خفیہ اداروں کی سعودی عرب پر خصوصی نگاہ ہے۔ ان کا دعویٰ ہے کہ بابری مسجد کی طرح خانہ کعبہ بھی پہلے ایک مندر تھا جسے وہ مسلمانوں سے آزاد کرائیں گے ---- یہاں یہ کہنا کہ یہ بالکل انہونی بات ہے تو بابری مسجد کا گرایا جانا کون سا اصول پرستی کا معاملہ ہوا ہے۔؟ اس بناء پر ہندو عزائم سے چشم پوشی کرنا کہ یہ انہونی بات ہے۔ اپنے آپ کو دھوکہ دینا ہے۔ دوسری اور اصل بات جو باعث تشویش ہے وہ بھارت کا اسرائیل کے ساتھ گٹھ جوڑ ہے۔ اگرچہ سعودی عرب میں اسرائیل کے لئے دنیا کی کئی حکومتوں کے ایجنٹ کام کررہے ہوں گے تاہم ان حکومتوں میں بھارت سب سے موثر' موزوں اور فعال دکھائی دیتا ہے۔

نہرو نے عملاً ۱۹۴۸ء میں ہی اسرائیل کو تسلیم کرلیا تھا۔ مکمل سفارتی تعلقات قائم کرنے میں سب سے بڑی رکاوٹ اندرونی اور بیرونی طور پر مسلمانوں کی مخالفت تھی لہٰذا بمبئی میں اسرائیل کے کونسل خانے کے قیام تک معاملہ محدود رکھنا پڑا لیکن اس سے اسرائیل کے ساتھ بھارت کے اعلیٰ سطحی کاروباری' معاشی' ثقافتی' سیاسی حتیٰ کہ فوجی تعلقات استوار کرنے میں کبھی کوئی کمی واقع نہیں ہوئی۔ اس پر مستزاد یہ کہ بھارت بڑی چالاکی کے ساتھ اپنی غیرجانبداری کا ڈھنڈورا بھی پیٹتا رہا مگر اب تو اس کا بھرم کھل چکا ہے۔ گزشتہ برس جب بھارت اور اسرائیل کے درمیان سفیروں کا باقاعدہ تبادلہ عمل میں آیا تو کسی عرب ملک نے اس پر اپنی ناپسندیدگی کا اظہار نہیں کیا۔ بعدازاں بابری مسجد کے واقعہ پر چند ایک عرب ممالک میں غم و غصہ ظاہر کیا گیا تو بھارت کی جانب سے کورا جواب تھا کہ تم اپنے گھر کی خبر لو۔

ضرورت رشتہ

تنظیم اسلامی لاہور کے سینئر رفیق (پہلی بیوی فوت ہوگئی ہے) عمر ۵۰ سال آفیسر گریڈ ۱۸ کیلئے تقریباً ۴۰ سالہ دیندار شریک حیات کا رشتہ درکار ہے۔ نکاح و رخصتی سادگی سے ہوگی۔

برائے رابطہ: ن م معرفت دفتر تنظیم اسلامی ۴ اے مزنگ روڈ لاہور

تیسری قسط

دو مسلمانوں نے قیام پاکستان کی حمایت کی اور ایک نے مخالفت!

کیبنٹ مشن کا ہندو کیلئے نرم گوشہ

قائداعظم کو پھسلانے' بہکانے اور بلیک میل کرنے کی ناکام کوششیں

امیر تنظیم اسلامی لاہور شہر' مرزا ایوب بیگ کی بے لاگ تاریخ نگاری

بحریہ کی بغاوت تو فرو ہوگئی لیکن انگریز کی پریشانیوں میں اضافہ کر گئی' خصوصاً وہ ہندوستان میں موجود یورپی شہریوں کی سلامتی کے بارے میں خاصا مضطرب ہوگیا اور بعد کے حالات سے محسوس ہوتا ہے کہ وہ ہندوستان سے اب جلد از جلد جان چھڑانا چاہتا تھا۔ لہٰذا ۲۲ جنوری ۴۶ء کو وزیر اعظم ا۔ٹلی کے زیر صدارت کابینہ کا ایک خصوصی اجلاس ہوا جس میں کابینہ کے ارکان پر مشتمل ایک تین رکنی وفد ہندوستان بھیجنے کا فیصلہ ہوا تاکہ وہ ہندوستانی لیڈروں سے مذاکرات کرکے انتقال اقتدار کا کوئی فارمولا وضع کرے۔

انگریز حاکموں کا بحیثیت مجموعی کانگرس کی طرف واضح جھکاؤ تھا اور وہ مسلمانوں کے مقابلے میں ہندوؤں کے لئے نرم گوشہ رکھتے تھے۔ اس پر مستزاد یہ کہ بدقسمتی سے تاریخ کے اس نازک دور میں جب ہندوستان کی قسمت کا فیصلہ ہو رہا تھا' برطانیہ میں ایک ایسا شخص وزیر اعظم تھا جو مسلمانوں کے سیاسی قائد' قائداعظم سے سخت الرجک تھا اور مسلم لیگ کے مطالبات پر سیخ پا ہو جاتا تھا۔ لہٰذا ۱۵ مارچ ۴۶ء کو پارلیمنٹ میں اس موضوع پر تقریر کرتے ہوئے وزیر اعظم ا۔ٹلی نے کہا:

"We cannot allow a minority to place a veto on the advance of a majority."

اور ساتھ ہی کیبنٹ مشن ہند روانہ کرنے کا اعلان کیا' یعنی آغاز ہی جانبداری سے ہوا۔

تاریخی قرار داد لاہور کے پاس ہونے کے عین ۶ سال بعد یعنی ۲۳ مارچ ۴۶ء کو کیبنٹ مشن کے ارکان (وزیر ہند لارڈ پیتھک لارنس' وزیر تجارت سر سٹیفورڈ کرپس اور وزیر بحریہ مسٹر ای۔ وی الیگزینڈر) کراچی کے ہوائی اڈے پر اترے۔ ہوائی اڈے پر سٹیفورڈ کرپس نے اخباری نمائندوں سے گفتگو کرتے ہوئے اپنی آمد کا مقصد یوں بتایا کہ "مشن یہاں اس لئے نہیں آیا کہ یہاں موجود ایک دوسرے کے خلاف پائے جانے والے دعووں کے متعلق کوئی فیصلہ صادر کرے بلکہ اس کا مقصد ہندوستانیوں کو اقتدار منتقل کرنے کا طریقہ وضع کرنا ہے۔"

مشن نے ہندوستان پہنچتے ہی ملاقاتوں کا ایک طویل سلسلہ شروع کیا۔ وائسرائے ہند کی ۱۳ رکنی ایگزیکٹو کونسل میں ۸ ہندوستانی تھے اور مذہبی بنیادوں پر تقسیم کچھ یوں تھی کہ ۳ مسلم' ۳ ہندو' ایک اچھوت اور ایک سکھ۔

تینوں ہندوؤں نے برصغیر کی تقسیم کی مخالفت کی۔ دو مسلمانوں نے پاکستان کی حمایت اور ایک نے مخالفت کی۔ اچھوت رکن ڈاکٹر بی۔ آر۔ امبیڈکر نے پاکستان کی حمایت اور سکھ رکن جوگندر سنگھ نے پاکستان کے قیام کی مخالفت کی۔

مختلف صوبوں کے گورنروں سے بھی انہوں نے ملاقاتیں کیں۔ ان گورنروں نے انہیں بتایا کہ کمیونسٹ' مسلم لیگ اور کانگریس دونوں کے ساتھ رابطہ رکھے ہوئے ہیں--- کم و بیش ہر گورنر نے تقسیم ہند کی مخالفت کی۔

اسی دوران چیف آف سٹاف آرتھر سمتھ نے قائداعظم سے ملاقات کی۔ محسوس ہوتا ہے کہ یہ ملاقات کیبنٹ مشن کے ایما پر ہوئی۔ سمتھ نے قائداعظم سے کہا کہ بالفرض تقسیم ہند کی نوبت آ بھی جائے تو دفاع کو تو مشترکہ رکھنا ہوگا اور کمانڈر انچیف بھی ایک ہی ہوگا۔ البتہ دونوں حکومتیں ایک نمائندہ باڈی تشکیل دے سکتی ہیں اور کمانڈر انچیف اس باڈی کو جوابدہ ہوگا۔ قائداعظم نے اس تجویز کی شدید مخالفت کی اور دونوں ممالک کی الگ الگ فوج پر اصرار کیا۔ البتہ دونوں ممالک کے درمیان دفاعی معاہدے کو قابل عمل قرار دیا۔ سمتھ نے قائداعظم کو دھمکاتے ہوئے کہا کہ پھر برطانوی افسر مستعفی ہو جائیں گے اور آپ جانیں اور آپ کی فوج۔ اس دھمکی کا قائداعظم نے خاطر خواہ اثر قبول کیا اور اپنے دفاعی معاہدے کی تجویز کو یوں حتمی شکل دی کہ "ہم شمال مغربی سرحدی صوبہ کے دفاع کے سلسلے میں ہندوستان سے ۲۰ یا ۲۵ سالہ معاہدہ کرنے کیلئے تیار ہیں۔"--- سمتھ کی اصل خواہش یہ تھی کہ روسی خطرے اور برطانوی فوجی افسروں کو Withdraw کرنے کی دھمکی دے کر دفاعی لحاظ سے انتہائی کمزور پاکستان کے مطالبہ سے قائداعظم کو دستبردار کروالیا جائے لیکن قائداعظم نے مزید پیچھے ہٹنے سے انکار کر دیا۔

۳ اپریل ۴۶ء کو کیبنٹ مشن کے ارکان نے وائسرے کی معیت میں کانگرس کے صدر ابوالکلام آزاد کے ساتھ ملاقات کی۔ اس اہم ملاقات میں مولانا آزاد نے اپنی آرا بحیثیت صدر کانگرس الگ اور ذاتی حیثیت سے الگ دیں۔ ذاتی حیثیت میں انہوں نے جو کچھ کہا وہ بہت اہم ہے لہٰذا ان کے اپنے الفاظ میں قارئین کی خدمت میں پیش کر رہا ہوں۔

"پاکستان کے قیام کے بعد باقی ماندہ ہندوستان میں رہ جانے والے مسلمان مشکل میں پھنس جائیں گے۔ وہ ہندو راج کے ماتحت آجائیں گے مثلاً یوپی' جو ایک ہزار سال سے مسلمانوں کا ثقافتی مرکز رہا ہے' وہاں مسلمان صرف سترہ فیصد ہیں۔ ان کو تحفظ مہیا کرنے کیلئے کوئی متبادل قوت موجود نہ ہوگی۔ چنانچہ ہندوستان میں رہ جانے والے ساڑھے تین کروڑ مسلمان ایک ہندو حکومت کے رحم و کرم پر ہونگے۔ اس لئے میں اس نتیجے پر پہنچا ہوں کہ وفاقی حکومت قائم ہونی چاہئے جس میں مسلمان مل کر اپنا پورا دباؤ ڈال سکیں نیز صوبے بھی خود مختار ہوں"۔

مولانا آزاد کا یہ موقف پاکستان کے خلاف ہی سہی لیکن مسلمانان ہند کی بہتری کے لئے ان کا نکتہ نظر تھا جس سے اتفاق یا اختلاف کیا جاسکتا ہے لیکن (اور یہ بہت بڑا لیکن ہے کہ) کانگرس ورکنگ کمیٹی کے اجلاس منعقدہ ۱۲ تا ۱۵ اپریل کے اختتام پر مولانا آزاد نے جو بیان جاری کیا اس کے ہر ہر لفظ سے یہ بات عیاں ہے کہ وہ چاہے ماضی میں ہونے والے بعض واقعات کا رد عمل تھی یا کوئی اور' مولانا کی طبیعت میں ضد اور چڑ سی پیدا ہوگئی تھی۔ فرماتے ہیں "میں اعتراف کرتا ہوں کہ پاکستان کی اصطلاح ہی میری طبیعت پر گراں گزرتی ہے۔ اس کا تو یہ مطلب ہوا کہ دنیا کے کچھ حصے پاک ہیں اور کچھ ناپاک۔ پاک اور ناپاک کی یہ علاقائی تقسیم ویسے ہی غیر اسلامی ہے اور روح اسلام کے منافی ہے۔ پیغمبر اسلام صلعم فرماتے ہیں "اللہ نے ساری دنیا کو میرے لئے مسجد بنایا ہے" مزید یہ کہ پاکستان کی سکیم ہی شکست خوردگی کی علامت ہے اور یہ بالکل اسی طرح ہے جیسے یہودی اپنے لئے علیحدہ وطن کا مطالبہ کر رہے ہیں۔ یہ اس امر کا اعتراف ہوگا کہ ہندوستانی مسلمان پورے ہندوستان کی سطح پر اپنا وجود برقرار رکھنے کے قابل نہیں رہے اور اس کے ایک کونے میں محدود ہونا چاہتے ہیں۔ یہودی کی علیحدہ وطن کی خواہش کے ساتھ ہمدردی کی جاسکتی ہے کیونکہ وہ ساری دنیا میں بکھرے ہوئے ہیں اور کسی علاقہ میں بھی انتظامیہ میں ان کی کوئی آواز نہیں ہے۔ ہندوستانی مسلمانوں کی صورت حال بالکل مختلف ہے۔ وہ نو کروڑ ہیں تعداد کے لحاظ سے اور معیار کے لحاظ سے بھی ہندوستانی زندگی میں اہم عنصر کی حیثیت سے وہ پالیسی اور انتظامیہ کے تمام مسائل پر اثر انداز ہوسکتے ہیں۔۔۔ بہرحال کیبنٹ مشن کے ارکان جلد ہی اس نتیجہ پر پہنچ گئے کہ کانگرس میں مولانا کی حیثیت بالکل

"متحدہ ہندوستان کا وجود خوش آئند ہے لیکن یہ ایک آئیڈیل بات ہے اور یہ اتنا ہی ناقابل عمل آئیڈیل ہے جتنا کہ عالمی وفاق کا قیام" (قائداعظم)

وہی ہے جو قائد پہلے ہی متعین کر چکے ہیں۔

وائسرائے اور کیبنٹ مشن کے ارکان نے گاندھی کے ساتھ ملاقات کی۔ گاندھی نے کہا کہ "جناح کا پاکستان ایک ایسا گناہ ہے جس کا میں کبھی ارتکاب نہیں کرسکتا۔ دو قومی نظریہ بالکل غلط اور انتہائی خطرناک ہے۔ مسلم آبادی کے ایک قلیل حصے کو چھوڑ کر باقی تمام نو مسلم ہیں اور ہندوستانی نژاد لوگوں کی اولاد ہیں۔" چنانچہ اس نے یہ موقف اختیار کیا کہ۔۔۔ "ہند میں نہ تو دو ملک بن سکتے ہیں اور نہ ہی دو آئین ساز ادارے وجود میں آسکتے ہیں۔ ایک ہی آئین ساز ادارہ بنے' خواہ مسلم لیگ اس کا بائیکاٹ ہی کیوں نہ کردے۔ عبوری دور کیلئے عبوری حکومت کی تشکیل کی جائے اور مجھے کوئی اعتراض نہیں اگر جناح کو عبوری حکومت تشکیل دینے کی دعوت دے دی جائے کہ وہ منتخب نمائندوں میں سے اپنی حکومت کے اراکین چن لے۔ اگر جناح ایسا نہ کرے یا نہ کرسکے تو کانگرس کو حکومت کی تشکیل کی دعوت دی جائے"۔۔۔ مکار گاندھی کے تجاہل عارفانہ کا اندازہ کریں۔ وہ جانتا تھا کہ مرکزی اسمبلی میں ہندوؤں کی اکثریت ہے۔ جناح حکومت نہیں بنا سکے گا لہٰذا انگریز کو اقتدار کانگرس کو منتقل کرنے کے سوا چارہ نہیں ہوگا۔

اسی نوع کی ملاقات وائسرے اور کیبنٹ مشن کے ارکان نے قائد اعظم کے ساتھ کی۔ قارئین اب گاندھی کے بودے اور مولانا آزاد کے بے وزن دلائل کا تقابل خود ہی قائداعظم کی گفتگو سے کریں جو واضح طور پر پُر منطق بھی ہے اور تاریخی حقائق کے حوالے سے درست بھی۔ قائد اعظم نے کہا "چندر گپت کے زمانے سے لیکر آج تک ہندوستان میں کبھی ایک متحدہ حکومت وجود میں نہیں آئی۔ مسلم مغل حکومت کو اگرچہ ہندوستان کے بڑے حصہ پر غلبہ تھا لیکن پھر بھی مرہٹے اور راجپوت اس میں شامل نہیں تھے۔ جب انگریز یہاں آئے تو انہوں نے بتدریج ہندوستان کے بڑے حصے پر اپنی حکمرانی قائم کی لیکن پھر بھی تمائی ہندوستان کو مجتمع کرسکے۔ بڑی ریاستیں اور خود مختار ریاستیں تو اب بھی آئینی اور قانونی طور پر گویا "پاکستان" ہیں۔ حقیقت یہ ہے کہ تعداد میں ہندوستان کئی ہیں جنہیں انگریز نے یکجا کر کے رکھا ہوا ہے۔ ہندوستان کے اندر موجود اختلافات یورپ کے ملکوں کے مابین اختلاف کے مقابلے میں کہیں زیادہ گہرے اور بنیادی ہیں۔ آئرلینڈ بھی اس کی مثال نہیں ہے۔ مسلمان کا نظریہ زندگی ہندوؤں سے بالکل جداگانہ ہے۔ ان کی ثقافت مختلف ہے جو کہ عربی و فارسی پر مبنی ہے نہ کہ سنسکرت پر۔ ان کے رہن سہن کے طریقے مختلف ہیں۔ ایک ہندو مسلمان کے ساتھ ہاتھ ملانے کے بعد ہاتھ دھوتا ہے۔ کوئی ہندو مسلمان کو اپنی بلڈنگ میں کمرہ دینے کو تیار نہیں ہوتا۔ مسلمان اور ہندو گزشتہ ہزار سال سے ہندوستان میں رہ رہے ہیں لیکن اگر آپ ہندوستان کے کسی شہر میں جائیں تو آپ کو ان کے گھر الگ الگ نظر آئیں گے۔ ان کے نام الگ ہیں ان کے کیلنڈر جدا ہیں۔ ہندو گائے کو پوجتے ہیں۔۔۔۔ مشترکہ عوامل کے بغیر کوئی قوم وجود میں نہیں آسکتی۔ آپ کس طرح ۲۵ کروڑ ہندوؤں کو اور ۱۰ کروڑ مسلمانوں کو اکٹھا رکھ سکتے ہیں جبکہ ان کا طرز زندگی بالکل جدا ہے۔؟۔۔ یہاں کوئی حکومت نہیں چل سکے گی اور اگر کوئی ایک مشترکہ حکومت ٹھونسنے کی کوشش کی گئی تو انجام تباہی ہوگا۔ کسی حکومت کو چلانے کیلئے ایک ایسے غالب عنصر کی ضرورت ہوتی ہے جو موثر "فولادی فریم" مہیا کرسکے۔ اس وقت یہ فریم انگریزوں نے مہیا کر رکھا ہے جو تمام کلیدی آسامیوں پر تعینات ہیں۔ انگریز اس کے بغیر کبھی بھی انتظامیہ نہیں چلا سکتے تھے۔ آزاد ہندوستان میں بھی ایک فولادی فریم درکار ہوگا۔ مجھے متحدہ ہندوستان میں ایسا کوئی فریم نظر نہیں آتا۔ انتظامیہ میں جہاں ہندو کلیدی آسامی پر تعینات ہوگا ہندوؤں کیلئے اور جہاں مسلمان ہوگا' مسلمان کیلئے ہمدردی رکھے گا۔ سالہا سال کے تجربے کے بعد میں اس نتیجے پر پہنچا ہوں کہ ہندوستان کو دو حصوں میں تقسیم کردیا جائے

(باقی صفحہ ۱۵ پر)

بھلا پھولوں نے بھی کبھی ہوا سے خوشبو کی قیمت مانگی ہے!

مکرمی ---! عزت مآب نواز شریف فرمایا کرتے ہیں کہ وہ آئندہ تین برسوں میں ملک کی کایا پلٹ دیں گے اور ظلم و زیادتی' غنڈہ گردی' چوری اور ڈکیتی وغیرہ کا خاتمہ کریں گے--مظلوم خاندانوں سے اظہار ہمدردی یوں فرماتے ہیں کہ "اب میں کسی چور' ڈاکو اور ظالم کو ملک میں رہنے نہیں دوں گا۔ کی کمین اور چودھری کا فرق ختم ہوچکا۔ میری اور حکومت کی نظر میں سب برابر ہیں---" وغیرہ وغیرہ

ایثار و رفاہ کے دو مدارج ہیں' عارضی اور دائمی-- اول الذکر یہ کوشش کہ ستر کو پوش اور مرض کو مسیحائی ملے' اور ثانی الذکر یہ جستجو کہ ظلمت کی بیخ کنی ہو' گزیدہ کو "مومیائی" ہی نہیں "زرہ بکتر" بھی ملے۔ ظلمت اور ظلم میں وہی امتیاز ہے جو نیت اور کرتوت میں ہوتا ہے۔ ظلم اگر بدنیتی کا پس منظر لئے ہوئے نہ ہو تو ظلم نہیں ہوتا' حادثہ ہوتا ہے۔ ظلم کی پہچان ہی یہی ہے کہ عقب میں ظلمت کارفرما ہو۔

ہمارے ہاں عالم یہ ہے کہ اس زرہ بکتر کا ہیولہ بھی معدوم ہو چکا ہے۔ یہاں ظالم وہی ہے جس کی جلد اتنی چکنی نہ ہو کہ "قانون" پھسل سکے اور قانون کی بالادستی کی عملی تصویر۔

"کاٹھ کا پتلا منصف بولا بندھ جائیں سو موتی ہیں"۔ کے علاوہ کچھ نہیں ہے۔ اب یہاں یہ نتیجہ اخذ کرلینا قطعاً دشوار نہیں کہ اس ہڑبونگ میں اگر شومئی قسمت سے ہلکے پھلکے اجتماعی رگڑے میں ایک آدھ "سچا" ظالم بھی آجائے تو یہ معاشرے میں باران ظلم کو کوئی سائبان تو نہیں ہے۔ اس سے تو الٹا حفظ ما تصادم کے نئے نئے داؤ پیچ مرتب ہونے لگتے ہیں-- جس طرح تشخیص اور علاج میں مریض کو نہیں' مرض کو ختم کیا جاتا ہے' بعینہ معاشرے سے ظلم کو معدوم کرنے کے لئے ظالم کی پٹائی سے پہلے معاشرے کو ظلمت کے لئے یکسین دینا ہوگی اور "جہاں ظلم وہاں نواز شریف" کا نعرہ کوئی ویکسین نہیں ہے۔

مدیر گرامی -!-- یہاں میں آپ کی وساطت سے اپنے مدعا علیہ سے براہ راست مخاطب ہونے جا رہا ہوں۔

عزت مآب-!... آپ کا یہ نعرہ اگر کچھ حقیقت رکھتا بھی ہے تو بھی یہ زیادہ سے زیادہ ایک عارضی سی رفاہ کا اک موہوم سا نقطہ ہے اور وہ بھی صرف اسی صورت قرار دیا جا سکتا ہے جب اخلاص نیت ثابت ہو جائے اور اس کی کسوٹی یہ ہے کہ ووٹ کی خواہش کی نفی موجود ہو جبکہ ادھر میڈیا پر آپکے چمچوں' چیلوں کی زبانی آپکی مدح سرائیوں اور عین الیقین کی مطول لن ترانیوں کا احوال یہ ہے کہ دیدہ عبرت نگاہ کو پتھرانے کے لئے کافی ہے۔ حقیقی رفاہ' جس کا نام ظلم کی اساس کا انسداد ہے' کا دور دور تک کوئی شائبہ ہی نہیں ہے۔

یہاں نام نہاد عدلیہ' انتظامیہ اور طاقت کے نشے میں مدہوش با اختیار طبقہ کی کارکردگی اور کرتوت کی رنگ کنٹری میں آپ کا وقت ضائع کرنا شاید مناسب نہ ہو کہ آپ بھی ویسی ہی دو آنکھیں رکھتے ہیں جیسی ہم... البتہ ظالم کو ٹریس آؤٹ کرنے کا راستہ بتلائے دیتے ہیں۔ اس نقطے پر انگلی رکھ دیجئے جس پر کوئی "چیک" نہیں ہے خواہ وہ نقطہ آپ کو آئینے میں ہی کیوں نہ دکھائی دے---- ظلمت کی بقاء احتساب کی فنا سے منسلک ہے اور اس کا فارمولا یہی ہے کہ خود محتسب پر سے "چیک" ہٹالیا جائے اور اس کا طریقہ مغربی جمہوریت ہے۔ ایک بالغ ایک ووٹ کا نعرہ جب تک لگتا رہے گا' حقوق کا تعین بلوغت کی بنیاد پر ہوتا رہے گا اور عزت مآب! آپ سے زیادہ کون جانتا ہے کہ بلوغت تو حیوانوں پر بھی آتی ہے---- جبکہ مسلم علیحدہ تعین حقوق یعنی علیحدہ قانون ساز مسلم اسمبلی اور علیحدہ غیر مسلم قانون ساز اسمبلی کے انتخاب کی صورت میں کسوٹی اسلام اور اقدار رہے گی۔ یہی وہ کسوٹی ہے جو احتساب کی محافظ ہے اور ارباب اختیار کی نظر و نیت کا امتحان ہے۔ وہ نظر و نیت جس کے صدق' پیمائش کا پیمانہ اوپر بیان کیا گیا۔

یہاں حجت تمام ہوئی۔ اتباع سنت میں پہلے قدم کی نشاندہی کئے دیتے ہیں۔ اگر فی الواقع رفاہ و فلاح ہی مقصود ہے تو ظلمت کے مقابلے میں نور کو پذیرائی دینا کار منصبی ٹھہرتا ہے۔ مسلم اور غیر مسلم علیحدہ علیحدہ قانون ساز اسمبلی یعنی حقیقی نظام خلافت کی راہ میں روڑا نہ بنئے۔ بغیر کسی "حلق پھاڑ" نعرے کے اپنی جان' جان آفرین کے حوالے کرنے کے منظر کو تازہ رکھئے اور اس طرح موہوم ہوجایئے کہ خدا کے علاوہ کسی کو معلوم نہ ہو۔

بھلا پھولوں نے بھی کبھی ہوا سے خوشبو کی قیمت مانگی ہے۔

پروفیسر فضل الرحمان
شعبہ انگریزی' گورنمنٹ کالج' قصور

بقیہ: سیاسیات پاکستان

تاکہ ہر حصہ میں ایک غالب فرقہ موجود ہو جو وہاں فولادی فریم مہیا کرسکے۔"-- قائد اعظم نے کہا "متحدہ ہندوستان کا وجود خوش آئند ہے لیکن یہ ایک آئیڈیل بات ہے اور یہ اتنا ہی ناقابل عمل آئیڈیل ہے جتنا کہ عالمی وفاق کا قیام۔ ہندوستان کا اتحاد عوام کا اتحاد نہیں ہے۔ یہ مسلط کردہ اتحاد ہے۔"-- تاہم قائد اعظم نے کہا "ایک مرتبہ پاکستان کا اصول تسلیم کرلیا جائے تو پھر معاملات طے ہوسکتے ہیں۔ ان کے مابین معاہدے اور سمجھوتے طے پاسکتے ہیں۔ خصوصاً دفاعی معاہدہ طے پایا جانا چاہئے لیکن اس طرح کہ کسی ملک کی خود مختاری پر حرف نہ آئے۔"-- پاکستان کی جغرافیائی حدود کا ذکر کرتے ہوئے قائد اعظم نے پانچ صوبوں کا مطالبہ کیا۔ تاہم انہوں نے کہا "ان کی سرحدوں میں تھوڑا بہت ردوبدل کیا جاسکتا ہے۔" انہوں نے کہا "میں ہندوؤں کو ان کی مرضی کے خلاف پاکستان میں شامل کئے جانے کے حق میں نہیں لیکن اس کی سرحدوں میں اتنی وسعت ضرور ہونی چاہئے کہ یہ ملک معاشی اعتبار سے زندہ رہنے کے قابل ہو۔" اس کے لئے قائد اعظم نے کلکتہ کی بندرگاہ کا مطالبہ کیا۔ انہوں نے کہا "اگرچہ یہ ہندو اکثریت کا شہر ہے لیکن آپ محض سرحدوں کی گنتی نہیں کرسکتے۔ یہ بھی دیکھیں کہ معاشی زندگی سے اس کا کتنا گہرا تعلق ہے۔؟"

قائد اعظم کی اس مدلل اور منطقی گفتگو کے بارے میں آر۔ سی موجمدار لکھتا ہے کہ "اس سے انکار ممکن نہیں کہ ہندو مسلم تعلقات کے بارے میں جناح کی تشخیص بڑی حد تک سچائی پر مبنی تھی اور جناح کا نکتہ نظر بہرصورت گاندھی یا نہرو کے مقابلے میں کہیں زیادہ حقیقت پسندانہ تھا۔"

پہلا حصہ

سفید ریش وزیر مملکت کی طاغوتی ہرزہ سرائی

تعظیم نہیں --- یہ عورت کی توہین ہے' تذلیل ہے

حقوق و فرائض نسواں' دین کی نظر میں

صاحبزادہ خورشید احمد گیلانی سردار آصف کی عیادت فرماتے ہیں

یہ مضمون پڑھنے کی آپ کو زحمت تو ہوگی لیکن اس سے پہلے ایک اور زحمت گوارا کرلیں کہ آپ وفاقی وزیر مملکت برائے اقتصادی امور کی "بہبود خواتین مرکز" میں کی گئی تقریر کے چیدہ چیدہ نکات پڑھ لیں کہ ان کی یہ تقریر غیرد لپذیر ہی ان سطور کے لکھنے کا محرک بنی ہے' انہوں نے جو کچھ کہا اس کی رپورٹ نوائے وقت ۳۱ر جنوری ۹۳ء سے لی گئی ہے' انہوں اپنی تقریر میں فرمایا:

"اسلام میں عورت کے سربراہ مملکت بننے کی کوئی ممانعت نہیں"

"مولوی عورت کو چار دیواری کے اندر قید کرنا چاہتے ہیں حالانکہ عورتوں نے مختلف غزوات میں بغیر پردے کے شرکت کی تھی۔ رضیہ سلطانہ کیا مردوں کے ساتھ جنگ میں حصہ نہیں لیتی تھی؟"

"اگر کوئی عورت کار چلا رہی ہے تو اس میں کیا حرج ہے؟۔ قصور اس مولوی کا ہے جو بری نگاہ سے عورت کو دیکھتا ہے"

"یہ پردہ کیا ہے؟ شرم تو آنکھوں میں ہونی چاہئے"

"رضیہ سلطانہ بھی حکمران رہی ہیں اور اندرا گاندھی بھی ایک بہادر حکمران تھیں"

"اگر ہم عورت کو نظر انداز کرتے ہیں تو اس کا مطلب ہے کہ ہم ملک کی آدھی آبادی کو بنیادی حقوق سے محروم کر رہے ہیں"

"مولوی حضرات کی عورت کی حکمرانی کے مسئلہ پر تو غیرت جاگ جاتی ہے لیکن عورتوں کے حقوق کی بات ہو تو خاموش ہو جاتے ہیں"

"وزیر اعظم میاں نواز شریف نے معاشرے سے حبس اور گھٹن کی فضا کو ختم کرنیکا فیصلہ کیا ہے۔ اب معاشرہ آزاد ہوگا"۔

وفاقی وزیر سردار آصف احمد علی نے ادھر ادھر بھی منہ مارا ہے لیکن ان کے خطاب کا جوہر اور خلاصہ یہی ہے جو اوپر درج کر دیا گیا ہے اور دوسرے اخبارات میں بھی سرخیوں کے ساتھ شائع ہوا ہے۔

متذکرہ صدر باتوں میں کوئی نئی یا انوکھی بات نہیں۔ برسوں سے لہجے بدل بدل کر یہ باتیں ہو رہی ہیں۔ سردار آصف احمد علی کی اس تقریر کا ہم بطور خاص نوٹس کیوں لے رہے ہیں؟۔ اس کی بنیادی وجہ یہ نہیں کہ ہمیں ان سے کوئی کد یا سیاسی آویزش ہے! بلکہ ہم ایک اصول کے طور پر وضاحت کر رہے ہیں کہ اس طرح کی تقاریر ایک فرد کی ترجمانی نہیں بلکہ ایک خاص طبقے کی نمائندگی کرتی ہیں خواہ کہنے کا "اعزاز" کوئی حاصل کرلے' ہم اپنی تحریر میں سردار صاحب کا تعاقب نہیں کر رہے بلکہ اس فکر کی گرفت کر رہے ہیں جس کی لے اب اونچے سروں میں ڈھلتی جا رہی ہے۔

چونکہ اس فکر کو ارباب اقتدار' نو دولتیا طبقے' سرمایہ دار اور وڈیرا شاہی کی حمائت حاصل ہے اس لئے اخبارات و رسائل بڑی رنگ آمیزیوں کے ساتھ اسے شائع کرتے ہیں کیوں کہ ہمارے ہاں "بات" کو نہیں "بات کہنے والے" کو دیکھ کر اہمیت دینے یا نہ دینے کا فیصلہ کیا جاتا ہے' خواہ بات بذات خود کتنی واہیات کیوں نہ ہو۔

ہم ضروری سمجھتے ہیں کہ اس کج فکری کا محاسبہ کیا جائے۔ آگے چل کر یہ کج عملی بن جائیگی۔ کچھ لوگ تو ہوں جو "زمانہ سازی" کی بجائے "زمانہ ستیزی" کا رویہ اپنائیں۔ ان کی بات چلے نہ چلے کم از کم ریکارڈ پر آجائے اور قوم کبھی اپنی اصل کی طرف پلٹ کر آنا چاہے تو اسے راست روی کے دھندلے نشان ضرور نظر آئیں۔

یہاں یہ نفسیاتی تجزیہ بھی بے جا نہ ہوگا کہ سردار صاحب اور جسٹس جاوید اقبال جیسے لوگ اس طرح کی تقریبات میں خوب کھل کر اور چہک کر باتیں کرتے ہیں۔ جس طرح غالب کی "گل افشانی گفتار" کے لئے لازم تھا کہ سامنے "ساغر و مینا" ہو' اسی طرح یہ حضرات بھی خواتین کی تقریبات میں خوب کھلتے ہیں۔ ظاہر ہے جہاں بیگمات پورے طمطراق کے ساتھ تشریف فرما ہوں' زرق برق لباسوں کی نمائش ہو' منہ ٹیڑھا کر کے اور لہجہ بگاڑ کر انگریزی بولنے کا مقابلہ ہو رہا ہو تو وہاں سارے پرت ایک ایک کر کے کھلتے جاتے ہیں۔

ان حضرات کے سامنے اگر دیہات کی ان پڑھ خواتین محنت کش اور صحیح معنوں میں مرد کے دوش بدوش کام کرنیوالی سادہ لوح عورتیں ہوں تو یہ کیا بول سکیں گے بلکہ الٹا نفرت کے مارے اس تقریب میں جانے سے انکار کر دیں گے۔ انہیں کھیت کھلیان میں دوش بدوش نہیں' لبڑی اور انار کلی میں "دوش بدوش" مطلوب ہے۔ اب جہاں بیگمات نما خواتین کے سامنے ان کی مرعوبیت کا یہ عالم ہے کہ اپنا آپ

نہیں سنبھال پاتے تو یہ امریکہ کو کیا چیلنج کرسکتے ہیں اور سر اٹھا کر کیا بات کر سکتے ہیں۔؟۔ وہ تو سب کا والی اور مولا ٹھہرا۔ موقع محل کی مناسبت سے بات کرنا اور چیز ہے اور حواس باختہ ہوجانا چیزے دیگر!

۔۔۔ مثلاً سردار آصف احمد علی کی خواتین کے سامنے تقریر کا یہ جملہ "اگر ہم عورت کو نظرانداز کرتے ہیں تو اس کا مطلب ہے کہ ہم ملک کی آدھی آبادی کو بنیادی حقوق سے محروم کررہے ہیں" اس پر کسی کو کیا اعتراض ہوسکتا ہے کیوں کہ ہم سب کی نظر میں عورت آبادی کا نصف ہی نہیں بلکہ "نصف بہتر" ہے۔ کسی کا ماں' بیٹی اور بہن ہونا کوئی معمولی اعزاز ہے؟ عورت کی آغوش کا نسل انسانی کے لئے "اولین درسگاہ" ہونا کوئی چھوٹی بات ہے؟ ماں کے قدموں کا "جنت کی دہلیز" قرار پانا عورت کے تقدس کی سب سے بڑی سند ہے جو اس کائنات انسانی کے سب سے بڑے' سچے اور معصوم انسان پیغمبر اکرمؐ نے عطا فرمائی ہے جو نبی ہوکر بھی اپنی ماں کے استقبال کو مسجد نبوی کے بیرونی دروازے پر حاضر ہوتے تھے۔ وہ ماں حقیقی نہیں تھی بلکہ اس نے اپنے دودھ کی چند دھاریں آپؐ کے منہ میں ڈالی تھیں۔

بات وہیں سے بگڑنا شروع ہوتی ہے جب یہ حضرات اپنی تمام تر توجہ اور شفقت کا محور ان خواتین کو بنا لیتے ہیں جن کا ماڈل بدقسمتی سے "عائشہؓ و فاطمہؓ" نہیں بلکہ صوفیہ لارین اور الزتھ ٹیلر قرار پاتی ہیں۔

عورت مقدس ہے' معصوم ہے' پوتر ہے' لائق صد احترام ہے' اس کی چوٹی مرد کے شملے سے زیادہ مکرم ہے' لیکن کس عورت کی؟ جو عورت ماں ہے' بہن ہے اور بیٹی ہے اور وہ عورت جو کسی کی شریک حیات ہے۔ اس کا درجہ یہ ہے کہ وہ گھر کی ملکہ ہے' بلکہ وہ اپنی اور اپنے شوہر کی آبرو کی محافظ ہے' اسلام اور اہل اسلام کی نظر میں جو عورت کی تکریم اور تعظیم ہے اس کا اندازہ اس سے کرلیں کہ اس کے قدموں کی چاپ کو بھی احترام عطا کیا گیا ہے کہ وہ زمین پر دھمک کر نہ چلے مبادا کوئی غیر اس کے قدموں کی چاپ اور زیور کی جھنکار سن لے۔ یہ درس احترام نہیں تو اور کیا ہے؟

عورت کی آواز کو تقدس بخشا گیا تاکہ حواس باختہ مرد ان کی آواز سے کسی غلط فہمی کا شکار نہ ہوں۔ اس لئے عورت کو چاہئے کہ وقار اور لہجے کی پختگی کے ساتھ بات کرے' اس کے چہرے کو یہ اکرام دیا گیا کہ وہ گھونگھٹ نکال کر باہر آئے ورنہ شائد اس پر کسی کی میلی نگاہ پڑجائے' اگر یہ احترام اور تقدس نہیں تو اور کیا ہے؟

لیکن یہ حضرات احترام کا مفہوم یہ لیتے ہیں کہ عورت اپنے پاؤں میں پائل باندھ کر ان کے سامنے رقص کرے' یہ اس سے لچرگیت آمنے سامنے بیٹھ کر سنیں' چہرے سمیت اس کا پورا جسم ان کی آنکھوں کو تسکین بخشے' جب چاہیں اور جس وقت چاہیں انہیں اپنے پاس بلالیں یا خود چلے جائیں اور خاوند اور گھر کے کسی دوسرے فرد کی موجودگی کے بغیر گپ شپ کی ایک طویل محفل عورتوں کے ساتھ آراستہ کریں اور کوئی روکنے ٹوکنے والا نہ ہو۔

ہمارے نزدیک یہ عورت کی تعظیم نہیں سراسر توہین ہے جس کا آج نہیں تو کل عورت کو ضرور احساس ہوگا اس لئے کہ فطرت نے عورت میں حیا' شرم' غیرت' تقدس' عصمت' اور عفت کا ایک خاص مادہ رکھا ہے جس سے فی الوقت عورت نے کسی شوق' کسی جنون' کسی ننگ اور کسی شوخی میں صرف نظر کرلیا ہے۔ فطرت ایک نہ ایک دن اپنے اصول منوائے گی اور ہر کوئی اپنی اپنی جگہ پر پہونچ کر آرام اور سکون پائے گا' فطرت کے اصولوں کے برعکس دوڑ مرد اور عورت دونوں کی سانس پھلا دے گی' جیسا کہ یورپی تہذیب ہانپتی نظر آرہی ہے۔ اب وہ "مشترکہ خاندانی نظام" جیسے پامال فارمولے کی بات کررہی ہے' بے ہنگم فیشن سے جان چھڑانا چاہ رہی ہے' عورت کو دی گئی بے جا آزادی کو تنقیدی نظروں سے دیکھ رہی ہے' اور گھر اور چار دیواری کے تصور سے مانوس ہونے کا سوچ رہی ہے' ہم چونکہ ان کے غلام رہے ہیں اس لئے ہم تک خبر ذرا دیر سے پہونچتی ہے۔ اسی لئے یورپ کا متروک فیشن ہمارے ہاں ابھی فروغ کے ابتدائی مرحلوں میں ہوتا ہے۔ جو چیز ان کے ہاں "آؤٹ آف ڈیٹ" (OUT OF DATE) ہوجاتی ہے وہ ہمارے ہاں ابھی "اپ ٹوڈیٹ" (UP TO DATE) کہلاتی ہے۔ یورپ تھک ہار کر اپنی سانس بحال کررہا ہے اور ہم تھنے پھلائے بگٹٹ دوڑ رہے ہیں۔ کوئی اسے ہماری خوش فکری قرار دے ہم اسے نہیں ٹوکتے' اس لئے کہ روس کہ "سپرپاور" ہونے پر لاکھوں کروڑوں کا خدا سے بھی زیادہ ایمان تھا مگر وہ جو کہنے والے تھے کہ روس کا نظام جبر اپنے اندرونی تضادات سے شکست و ریخت کا شکار ہے اور ایک دن یہ پرشکوہ عمارت اپنی چھت سمیت زمین بوس ہونے والی ہے' وہ بھی بیچارے "خوش فہم" ہی ٹھہرے تھے' مگر اب سب کچھ اندھوں کو بھی نظر آرہا ہے۔ اس طرح ہم سمجھتے ہیں کہ یورپ کی تہذیب مصنوعی ہے' فطرت کے سادہ اصولوں سے بغاوت پر قائم ہے' اس چوبی تہذیب کو اندر سے دیمک لگ چکی ہے' دیکھا چاہئے کب پلٹا کھا کر فطرت کے طے کردہ دائرکار میں مصروف عمل ہوتی ہے' اور فطرت کا وضع کردہ دائرہ کار وہی ہے جو اللہ کے پیغمبرؐ نے واضح فرمایا ہے۔ اس کے سمجھنے میں کوئی دقت نہیں' البتہ حیلہ طرازی اور فتور نیت کی بات الگ ہے۔

اب ہم ترتیب وار سردار صاحب کے اٹھائے گئے نکات کا تجزیہ کرتے ہیں' وہ فرماتے ہیں'

"اسلام میں عورت کے سربراہ مملکت بننے کی کوئی ممانعت نہیں"

ہماری گذارش یہ ہے کہ ہم کون ہیں عورت کو سربراہ مملکت بننے سے روکنے والے اور اپنے اعصاب پر عورت کو سوار کرنے والے۔؟ ہم مردوں کی کیا مجال کہ عورت کو تخت پر بیٹھنے سے منع کرسکیں؟ لیکن مسئلہ یہ ہے کہ ہم سربراہ مملکت بنانے یا روکنے والے نہیں یہ فیصلہ قرآن اور حدیث سے لینا پڑے گا۔ اگر اسلامی نظریاتی کونسل کے فاضل ارکان' وفاقی شرعی عدالت کے معزز جج اور ملک بھر کے ہر مکتب فکر کے راسخ اور متقی علماء (جن کے رسوخ فی العلم اور تقویٰ پر مسلمانوں کو مجموعی طور پر اتفاق ہو) فیصلہ دے دیں کہ قرآن و سنت میں عورت کے سربراہ مملکت بننے کی گنجائش موجود ہے تو بسروچشم۔۔۔ اگر وہ طویل بحث مباحثے اور گہرے غور و فکر کے بعد کہیں کہ اس کی اجازت نہیں تو ایمان اور عدل کا تقاضا ہے کہ ہم اسے بھی تسلیم کرلیں اور اپنی طرف سے منطق جھاڑنے کی ضرورت نہیں۔ اس لئے کہ ہر شخص مفتی' جج اور مجتہد بننے لگے تو سوسائٹی کا مزاج بگڑنے لگتا ہے۔ یہ بڑی اصولی اور سادہ سی پیش کش ہے' ہم سب کو بے چون و چرا یہ تسلیم کرلینی چاہئے' اس میں لڑنے جھگڑنے کی کیا ضرورت ہے اور ایک دوسرے کو ملعون ٹھہرانے کی فضول مہم چلانے کی کیا تک ہے؟ یہ مسئلہ کسی ووٹر یا وزیر کا نہیں' قرآن و سنت کی تشریح اور تعبیر کا ہے جس کے سامنے چھوٹے سے لے کر بڑے تک کو اپنی اپنی منطق اور حجت کو قربان کردینا ہے۔

وزارت اقتصادی امور کے دائرہ کار میں اس

(باقی صفحہ ۱۸ پر)

بقیہ: جواب آں غزل

موضوع پر بحث اور کوئی نتیجہ اخذ کرنا ہرگز شامل نہیں' وہ کیوں اپنے اوپر اضافی ذمہ داری عائد کرنیکی زحمت گوارا کرتے ہیں۔

رہی یہ بات کہ امریکہ کے آئین میں اس کی گنجائش ہے' یورپ اسے تسلیم کرتا ہے' عقل اسے درست مانتی ہے' رضیہ سلطانہ تخت نشین رہی ہے'--- ہمیں بطور مسلمان اس سے قطعاً غرض نہیں' ہم امریکہ کے آئین' یورپ کے اتفاق رائے اور رضیہ سلطانہ کو بادشاہ مان کر مسلمان نہیں بنے' خدا رسولؐ پر ایمان لا کر اور قرآن وسنت کو حجت تسلیم کر کے مسلمان ہوئے ہیں' اور قیامت تک مسلمان کا معیار یہی رہے گا۔ کسی چیز کا وقوع پذیر ہونا اس کی صحت پر استدلال نہیں کرتا۔ واقعہ اور ضابطہ دو الگ الگ چیزیں ہیں' رضیہ سلطانہ بادشاہ بن گئیں' ہم بھی جانتے ہیں' یزید مسلمانوں کا حکمران رہا' سبھی تسلیم کرتے ہیں۔ لیکن رضیہ سلطانہ سربراہ مملکت بننے میں ہمارے لئے حجت نہیں اور یزید کا طرز حکومت ہمارے لئے مطلوب نہیں۔ ایسے حادثات دنیا میں ہوتے رہتے ہیں لیکن سند جواز ہرگز نہیں بنتے۔ اگر آج کوئی حکمران یزید کا سا طرز عمل اختیار کرلے اور کہنا شروع کر دے کہ یزیدیت کی اسلام میں کوئی ممانعت نہیں تو سردار صاحب کے علاوہ کون اس استدلال سے اتفاق کرے گا؟

رضیہ سلطانہ نیک ہوگی' صالحہ ہوگی' صاحب کردار ہوگی۔ کون اس کا انکار کرتا ہے لیکن اسکا بادشاہ بن جانا عورت کے حق حکمرانی کے لئے قطعاً دینی دلیل نہیں۔ جب لفظ "اسلام میں" اور "دین میں" بولا جائے گا تو اس کے لئے حجت قرآن اور سنت رسولؐ ہوگی۔ کسی خلیفہ' امیر' بادشاہ' صدر اور وزیر اعظم' چانسلر' گورنر جنرل کے عمل یا طریقے کو حجت نہیں مانا جائیگا۔ لیکن ہم اس لمبی بحث میں کیوں پڑیں۔؟ ارباب علم اور حاملان دین اس پر تفصیل کے ساتھ بحث کرکے فتوی دے دیں' ہم سب کو قابل قبول ہوگا۔ نہ ہمیں فرار کی ہمت اور نہ جناب سردار کو انکار کی جرات ہوگی'--- ہمیں گو' ہمیں میداں'-- اگر تو مقصد اس الجھن کو ختم کرنا ہے تو اس کا طریقہ یہی ہے جو ہم نے بتایا ہے اور اگر مطلوب صرف مولوی کو ملعون کرنا ہے تو پھر ۔

خوئے بدرا بہانہ بسیار'-- کے مصداق جو منہ میں آئے فرماتے جائیے۔ بس اتنا کرم فرما لیجئے کہ درمیان میں بیچارے "اسلام" کو نہ گھسیٹئے' خدا اپنے دین کے معاملے میں بڑا غیور ہے' کہیں ایک وزیر کی خاطر پوری قوم زیر عتاب نہ آجائے۔

بقیہ: زبان خلق

کے بغیر پتا بھی نہیں ہلتا۔ انسان' شیطان کے نقش قدم پر چلنا چاہے تو (معاذاللہ) اللہ بھی اس کی مرضی میں اپنی مرضی شامل کردیتا ہے' ہنس کے دیس میں اگر کوا ہنس کی چال چلنے لگے تو بات سمجھ میں آتی ہے لیکن کوا اگر اپنے ہی دیس میں ہنس کی چال چلنے لگے تو وہ سب کچھ پیش آسکتا ہے جو ہوم اکنامکس کالج کی انتظامیہ کو پیش آیا۔ لیکن جو بات ان کو بہت ناگوار گزری ہے اس کا تو سارے فسانے میں کوئی ذکر ہی نہ تھا۔ ڈاکٹر اسرار احمد صاحب بیچارے خواتین کے معاملے میں برسہابرس پہلے ہی پسپائی اختیار کرچکے ہیں۔ گوکہ یہ پسپائی اصولوں کی خاطر ہے ورنہ الہدیٰ پروگرام کو لوگ اب بھی نہیں بھولے۔ اگر آغا صاحب کو تفصیلات کا علم ہوتا تو وہ جانتے کہ اس معاملے میں ڈاکٹر اسرار احمد صاحب اور ان کی تنظیم کو ملوث کرنا دراصل کھسیانی بلی کھمبا نوچنے والا معاملہ ہے۔ آج کی لڑکیوں کی ذہانت کے ہم بھی قائل ہیں۔ ہم تو صرف یہ چاہتے ہیں کہ ان کی ذہانت کا استعمال دین کے دائرے کے اندر رہتے ہوئے ہو۔ ہمارے ملک میں وہ خواتین بھی موجود ہیں جو دینی تنظیموں سے منسلک ہیں اور جن کیلئے Fund Raising کوئی مسئلہ نہیں اور جن کو چادر اور چار دیواری کے تحفظ کا کوئی مسئلہ نہیں ہے۔ مسئلہ تو صرف ان خواتین کیلئے ہے جو دین کی چار دیواری پھلانگنے کا کوئی موقع ضائع جانے نہیں دیتیں۔ اگر ہم نے انہیں آزاد چھوڑ دیا تو کل کلاں کوئی پاکستانی بھی ڈاکٹر صاحب کو ایسی پتا سنا سکتا ہے کہ بیوی کو فرینڈ سے ملنے سے روکنے پر اس کے بچوں نے اس کی پٹائی کردی۔ کوپن ہیگن میں ایک صاحب نے ڈاکٹر اسرار احمد صاحب کو اپنی ایسی ہی بپتا روتے ہوئے سنائی تھی۔ ہم اپنے وطن کو ہنس دیس نہیں بنا سکتے۔ یہاں تو کوے' کوے ہی کی چال چلیں گے۔ کسی کوے کو یہ ہنس کی چال چلنے نہیں دیں گے۔

اعلان تعطیل

"ندائے خلافت" کا آئندہ باقاعدہ شمارہ جسے ۳۰ مارچ کو حوالہ ڈاک ہونا تھا' عید کے موقع پر پریس کی تعطیلات کے باعث شائع نہیں کیا جاسکے گا جس کے لئے ہم قارئین سے معذرت خواہ ہیں (ادارہ)

بقیہ: افتتاحیہ

کیونکہ اللہ تو سب کا ایک ہے۔ جنگ ان سرکشوں کے خلاف ہے جو اللہ کی زمین پر اپنی حاکمیت قائم کرنے کے درپے ہیں اور اللہ کے بندوں کو اپنا غلام بنا کر رکھنا چاہتے ہیں۔ انہیں ایک اللہ کا بندہ بننے سے روکتے ہیں۔ اس لئے ضروری یہ ہے کہ لوگوں کو قرآن کی دعوت دی جائے۔ قرآن کے ذریعے ان کی تعلیم و تربیت اور تزکیہ کا اہتمام کیا جائے اور قرآن ہی کی بنیاد پر تنظیم اور ایک جماعت قائم کی جائے۔

اگر حالات نے پہلے اس کی اجازت نہیں دی تو اب اسے اولیت دی جائے۔ اسلام میں مذہب اور سیاست جدا نہیں۔ لہٰذا یہ ذمہ داری انہیں ادا نہیں کرنا ہے جن کو اقتدار حاصل ہے۔ مومن کی تو پہچان ہی یہی ہے کہ دائیں ہاتھ میں قرآن اور بائیں ہاتھ میں تلوار۔ اس وقت امت مسلمہ میں قیادت کا شدید فقدان ہے۔ جناب حکمت یار صاحب سے بہت توقعات وابستہ ہیں۔ جن مشکل مراحل سے گزر کر انہیں یہ کامیابی حاصل ہوئی ہے اس سے فائدہ اٹھا کر وہ یہ کمی پوری کرسکتے ہیں' اس وقت پوری دنیا سمٹ کر اکائی کی صورت اختیار کررہی ہے۔ انہیں اسلام کے علمبردار کے طور پر آگے آنا چاہئے اور عالمی سازشوں کا مقابلہ صرف اللہ تعالیٰ کی مدد کے سہارے کرنا چاہئے' باقی ساری طاقتیں ثانوی حیثیت کی حامل ہیں۔○○

قرضے اپنے حواریوں میں بندر بانٹ کے تحت معاف کردیئے تھے لیکن "ملک" پاکستان ایک وزیر اعظم نے ہی توڑا ہے۔ یہ صرف تاریخی واقعات کا بیان ہے، کسی طریق حکومت کی مخالفت نہیں۔ پارلیمانی نظام اگر اکثریت کو پسند ہے تو کوئی برائی نہیں لیکن کلی اختیارات ایک عہدیدار حکومت میں جمع کرلینا، جمہوری احتساب و نگرانی کے مسلمہ اصولوں کے منافی ہے۔ غور کرنے کی بات یہ ہے کہ آخر کوئی ایک ملکی وریاستی عہدیدار تمام کے تمام اختیارات اپنی ذات میں ہی کیوں سمیٹ لینا چاہتا ہے ؟۔ یہ بات جمہوری اصولوں سے مطابقت رکھتی ہے یا آمریت کی غمازی کرتی ہے ؟۔ آخر صدر کو "فضل الٰہی" (ربڑ سٹمپ کی نسبت یہ زیادہ فصیح اصطلاح ہے) ہی کیوں رہنا چاہئے۔؟ دوسرا یہ کہ صدر قومی نمائندہ ہونے کے باوجود ایک بددیانت شخص ہی کیوں ہوگا۔؟ آخر صدر ہر وقت ملک دشمنی۔ جمہوریت دشمنی اور بحرانات ابھارنے کا خواہش مند ہی کیسے ہو سکتا ہے۔؟ یہ کیوں سمجھا جارہا ہے کہ صدر کی ذات یا عہدے میں باوقار نمائندگی کی بجائے صرف شرارت بھری ہوئی ہوگی اور کیا کوئی ایسا صدر اپنا وقار اور عہدہ قائم رکھ سکتا ہے۔؟ صدر مملکت کا ان منفی خیالات و رجحانات کا حامل ہونا کن وجوہات اور قرائن کی بنا پر یقینی ہے۔؟ آیئے ان پر ایک نظر ڈالیں۔

پاکستان مارشل لاء دور کے علاوہ پارلیمانی طریق حکومت پر ہی کار بند رہا ہے۔ گزشتہ تمام جمہوری ادوار میں محلاتی سازشیں اور محلاتی اکھاڑ پچھاڑ کا دور دورہ رہا ہے۔ عوام اور رائے دہندگان کو بے بس تماشائی اور ۔

"دیکھ سب کچھ اور مثال آئینہ خاموش رہ"---- کے مصداق اپاہج اور معذور بنادیا جاتا رہا ہے۔ اراکین اسمبلی اپنے ذاتی گھٹیا مفادات کے حصول کے لئے ادھر سے ادھر سودا بازی کرنے میں مشغول ہوجاتے رہے ہیں۔ قوم اور ووٹر ایک دفعہ رائے دینے کے بعد اپنا سب کچھ کھو بیٹھتے ہیں اور پھر قوم، ملک اور عوام کا کوئی پرسان حال نہیں ہوتا۔ ادھر اسمبلیوں میں ذاتی اغراض کے حصول کے علاوہ کوئی قومی یا عوامی کام نہیں ہوتا۔ ہمارے نمائندہ حضرات کبھی اسمبلی کی کاروائی میں حصہ لیتے نظر نہیں آتے۔ ہمیشہ ہی کورم نہ ہونے کا رونا رویا جاتا ہے مگر پھر بھی کورم پورا نہیں ہوتا حالانکہ تقریبا پچاس وزیر موجودہ حکومت میں کاروں پر جھنڈے لہراتے پھر رہے ہیں۔

ہیروئن فروشی کا کاروبار، ڈاکے، قتل و غارت گری، اغوا و آبروریزی، غنڈہ گردی اور تشدد، حتی کہ ہر انسانیت دشمن حرکت ارکان اسمبلی کی سرپرستی میں ہو رہی ہے۔ ملک کا پہلا مارشل لاء پارلیمانی نظام کی بدکرداریوں کے باعث لگا تھا۔ پارلیمانی نظام کے اراکین اسمبلی راتوں رات ذاتی گھٹیا اغراض کے لئے اپنا ضمیر اور ایمان بدل لیتے تھے۔ حتیٰ کہ پاکستان سالہا سال سرزمین بے آئین رہا۔ مارشل لاء دور میں جو بربادیاں ہوئیں وہ بھی پارلیمانی نظام کی بدکرداری کا براہ راست نتیجہ تھیں۔ آن کی اراکین اسمبلی قانون سازی کے اپنے فرض منصبی کی بجا آوری کی بجائے ملازمتوں کے کوٹے اور ترقیاتی کاموں کی آڑ میں بڑی بڑی رقموں کے اخراجات اپنی صوابدید سے کرنے کے حق کے لئے مرے جاتے ہیں۔ کیا یہ انتظامی امور مقننہ کے دائرہ کار میں آتے ہیں۔؟ کیا ان کوٹوں کے متمنی کوئی قومی کام کرنے کی بھی صلاحیت رکھتے ہیں۔؟ ان حضرات کو اگر کلی اختیارات دیدئے جائیں تو کیا یہ ارکان انگلستان کی پارلیمنٹ کی طرح اپنے اختیارات کے نمائشی اظہار کے لئے ہم جنسی کو قانونی شکل نہ عطا کردینگے۔؟ ماضی میں ان حضرات نے کیا کچھ نہیں کیا۔! کیا ان اراکین اسمبلی نے شریعت ایکٹ میں بھی پارلیمنٹ کو شریعت اسلامی سے بالا نہیں رکھا ہوا۔؟ اب یہ کس منہ سے مکمل اختیارات کے، اور وہ بھی صرف مقننہ کے نہیں بلکہ انتظامیہ اور عدلیہ کے اختیارات کے بھی، طالب ہیں۔؟؟

ان حالات میں ایک منتخب صدر کو، جس کی نمائندہ حیثیت وزیر اعظم سے کئی گنا زیادہ ہو، نگرانی اور مخصوص حالات میں ہنگامی اختیارات کے استعمال کا حق ہونا چاہئے۔ کیونکہ یہی وہ ادارہ ہے جو عوام، قوم، ملک اور ریاست کا محافظ ثابت ہوسکتا ہے۔ ورنہ اسمبلیوں کی اکثریت کا محتاج کوئی بھی عہدیدار (وزیر اعظم) قومی مفادات کی، صدر کی طرح حفاظت کر ہی نہیں سکتا۔

صدر پوری قوم کا وہ نمائندہ ہے جو اراکین اسمبلی کی خوشنودی کا ہمہ وقت محتاج نہیں لہٰذا صدر ہی عوام، ملک اور قوم کا بہتر رکھوالا ہوسکتا ہے اور یوں عوام کی ترجمانی بھی صرف اور صرف صدر ہی کر سکتا ہے۔ کیونکہ وہ بطور صدر، وزیر اعظم کی طرح، اراکین اسمبلی کے دباؤ میں نہیں ہوتا۔ ان حالات کا تقاضا ہے کہ ملک و ریاست کی بہتری میں آٹھویں ترمیم کے ذریعہ اقتدار کی موجودہ تقسیم کو برقرار رہنا چاہئے۔

قارئین کی توجہ کے لئے

بطور یاد دہانی عرض ہے کہ :

- "ندائے خلافت" اگرچہ پچھلے سال کی طرح ہفت روزہ ہے تاہم اس کی ایک ہفتے کی اشاعت صرف رفقائے تنظیم اسلامی اور معاونین تحریک خلافت پاکستان کیلئے مخصوص ہوتی ہے اور دوسرے ہفتے کا شمارہ آپ کی خدمت میں ارسال کیا جاتا ہے۔ گویا آپ کیلئے عملاً یہ ایک پندرہ روزہ جریدہ ہے۔
- جلد اور شمارے کے نمبروں سے قطع نظر آپ اس عدد کا خیال رکھئے جو ان کے نیچے ایک دائرے میں نمایاں درج ہے۔ اسی سے آپ کو معلوم ہوگا کہ کوئی پرچہ آپ تک پہنچنے سے رہ تو نہیں گیا۔
- آپ کو سال بھر میں ۲۴ یا زیادہ سے زیادہ ۲۶ شمارے ملیں گے چنانچہ اسی تناسب سے سالانہ زر تعاون کو کم کردیا گیا ہے۔
- پرانے سالانہ خریداروں کو اپنے چندوں کے عوض پورے یعنی ۵۲ پرچے ملیں گے یعنی وہ کمی نئے سال میں پوری کردی جائے گی جو ۱۹۹۲ء میں رہ گئی۔
- کسی خریدار کے حساب میں کمی بیشی رہ جائے تو وہ ازراہ کرم بذریعہ خط اطلاع دیکر دفتر کی مدد فرمائیں ------- (ادارہ)

WEEKLY "NIDA-E-KHILAFAT" LAHORE
36-K, Model Town Lahore- 54700 Regd:No L. 9184

زبان خلق

کوے کو ہنس کی چال چلنے نہیں دیں گے

نوائے وقت میں شائع ہونے والے ایک کالم کے تعاقب میں کراچی سے

محمد سمیع کا جواب مضمون

حضرت ناصح نے "نوائے وقت" کے گیسٹ کالم میں 8 مارچ کو لفظ "پ" سے بننے والے الفاظ کے ضمن میں ڈاکٹر اسرار احمد کے خیالات کو سراہا ہے لیکن لگتا ہے کہ وہ خود اس بڑے "پ" کے چکر میں آگئے ہیں' جو کبھی معلم الملکوت کہلاتا تھا--- اور کیسے نہ آتے کہ بڑے بڑے لوگ اس کے چکر میں آہی جاتے ہیں' جبھی تو قرآن میں اسے بڑی تکرار کے ساتھ حضرت انسان کیلئے "عدو مبین" کہا گیا ہے۔ لیکن ایسی بھی کیا

Devil,s Adocacy کہ ایک طرف تو انہیں فرقہ ورانہ علماء سے لڑانا چاہتے ہیں تو دوسری طرف "ذہین لڑکیوں" کا خوف دلاتے ہیں اور ان کا پیچھا چھوڑنے کی تلقین کرتے ہیں---- حضرت جی اب ایسا ظلم تو نہ کریں۔ ہمارا ملک پہلے ہی مختلف قسم کی فرقہ وارانہ عصبیتوں کے جال میں پھنسا ہوا ہے۔ کبھی علاقائی اور لسانی عصبیت کا اژدھا پھنکاریں مارنے لگتا ہے تو کبھی مذہبی فرقہ واریت کا عفریت سر اٹھانے لگتا ہے۔ ابھی تو ضرورت اس بات کی ہے کہ مشترکہ باتوں کا چرچا ہو اور مریض سے نفرت کی بجائے مرض کا علاج کیا جائے۔ دین کے دائرے کے اندر رہتے ہوئے ایک دوسرے کے اختلافات کو برداشت کرنے کیلئے جتنی دور جانا ممکن ہو' جایا جائے۔ ہاں البتہ دین کے اساسی عقائد پر جہاں ضرب پڑتی ہو وہاں نصح و خیر خواہی کے جذبے سے کام لیتے ہوئے سمجھانے کی کوشش کی جائے۔ ورنہ وطن عزیز جس صورت حال سے دوچار ہے' ذرا سی بے احتیاطی خدانخواستہ اس کے وجود کو ہی ختم کر سکتی ہے۔ آپ کا کیا بگڑے گا' وہ ٹھہرے گرین کارڈ ہولڈر۔ قیامت تو ہم پر گزرنی ہے'

کاش کہ آغا صاحب نے اختلاف عقائد کے بارے میں بھی ڈاکٹر اسرار احمد صاحب کے کیسٹس سنے ہوئے ہوتے تو انہیں ان کی وسعت قلبی کا اندازہ ہوتا لیکن برا ہو شیطان مردود کا جو دیوار میں شیرینی لگا کر دور کھڑا لوگوں کی لڑائی کا لطف اٹھاتا ہے۔

آغا صاحب کو چاہئے کہ شیطان پر لاحول پڑھیں۔ اس میں کوئی شک نہیں کہ وجود زن سے ہے تصویر کائنات میں رنگ---- لیکن اسے اس طرح اپنے اعصاب پر سوار کرنا بھی مناسب نہیں کہ اس کی تمیز بھی ختم ہو جائے۔ ہمیں حتمی مرتبت کے اس فرمان کو کبھی نہیں بھولنا چاہئے کہ مرد کی نقل اتارنے والی عورت پر اللہ کی لعنت ہوتی ہے۔ آغا صاحب نے ان لوگوں کے "ارشادات" کے بارے میں ڈاکٹر صاحب کی رائے مانگی ہے جو چاہتے ہیں کہ جو کچھ ہو رہا ہے' اسے ہونے دیا جائے کہ سب کچھ اللہ کی مرضی سے ہوتا ہے--- اس میں کیا شک ہے کہ اللہ کی مرضی

(باقی صفحہ ۱۸ پر)

فحش عید کارڈوں کے خلاف احتجاجی ریلی

تنظیم اسلامی اور تحریک خلافت حلقہ لاہور نے فحش و عریاں عید کارڈوں کے ضمن میں صدائے احتجاج بلند کرنے کیلئے مشترکہ موٹر سائیکل احتجاجی ریلی کا درج ذیل پروگرام تشکیل دیا ہے۔

پروگرام

(i) دن اور وقت --- بروز جمعرات' ۱۸ مارچ ۱۹۹۳ء - بوقت ڈھائی بجے دوپہر

(ii) مقام روانگی ریلی --- دفتر تحریک خلافت پاکستان A- 4 مزنگ روڈ لاہور

(iii) ریلی کے اختتام پر ساڑھے پانچ بجے شام دفتر تحریک خلافت میں کنوینگ کمیٹی حلقہ لاہور کے انتخابات' اور پہلے آل پاکستان خلافت کنونشن کے ضمن میں ضروری مشورہ ہوگا۔

(iv) پروگرام کے اختتام پر حاضرین کیلئے افطاری کا اہتمام ہوگا۔

.....

نوٹ : جو معاونین تحریک ریلی میں شریک نہ ہو سکیں اور وہ بھی افطاری میں ضرور شرکت فرمائیں تاکہ خلافت کنونشن کے ضمن میں ہونے والے مشورہ میں ان کی شمولیت بھی ہو سکے۔

المعلن :- مرزا ایوب بیگ
امیر تنظیم اسلامی' لاہور شہر